احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مئی 2025ء

احکامِ شریعت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ایمان افروز خطاب

سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داریاں

قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ القادری الگیلانی البغدادی

مشعلِ ہدایت وروحانیت

بین المذاہب ہم آہنگی
چیلنجز اور اقدامات

نوجوانوں کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

مقصدِ حیات اور فلسفۂ مزاحمت

سالانہ عرس مبارک
فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء
منہاج یونیورسٹی لاہور

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی معرکہ آراء تصانیف

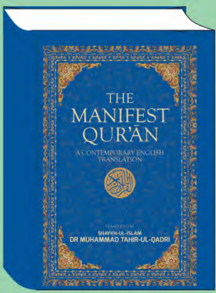

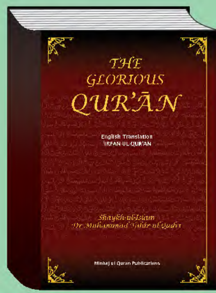

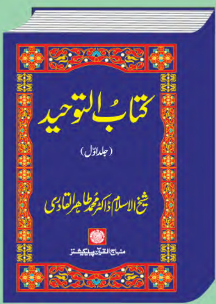

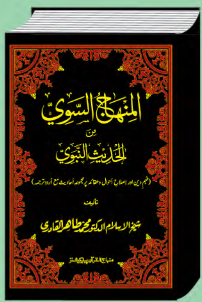

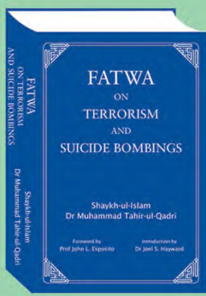

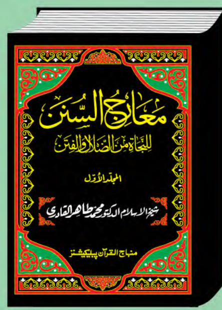

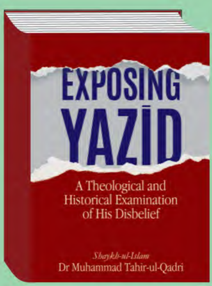

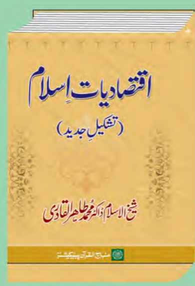

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 39 / ۱۴۴۶ھ ذوالقعدہ / مئی 2025ء
شمارہ: 5

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

حسنِ ترتیب

اداریہ: اسلام میں انسانی حقوق کا تصور	چیف ایڈیٹر	5
القرآن: احکامِ شریعت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اہمیت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	9
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	20
نوجوانوں کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	25
انسانی مقصدِ حیات اور فلسفۂ مزاحمت	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	33
سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داریاں	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	41
انسانی زندگی کے خوف و خطرات سے بچاؤ: قرآنی اصول	ڈاکٹر محمد نعیم انور نعمانی	50
بین المذاہب ہم آہنگی: ناگزیریت، چیلنجز اور اقدامات	ڈاکٹر علی رضا طاہر	57
سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانیؒ: مشعلِ ہدایت و روحانیت	خصوصی تحریر	65
سالانہ عرس مبارک حضرت فریدِ ملتؒ (رپورٹ)	علامہ حافظ عبدالقدیر قادری	74
چوتھی سالانہ قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء (رپورٹ)	ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی	78

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ 60 روپے | سالانہ خریداری 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

شکر بندوں سے ادا کیسے ہو رحمان تیرا
منہ سے جو سانس نکلتی ہے وہ احسان تیرا

کہہ کے لا تقنطوا مایوس کو مسرور کیا
یہ بھی اک فضل کا انداز ہے سبحان تیرا

جن و انسان و ملک و شمس و قمر و شجر و حجر
نور ہی نور ہے ہر شے میں نمایاں تیرا!

ذرہ ذرہ تیری توحید کے گن گاتا ہے
پتہ پتہ ہے ہمہ وقت ثناء خواں تیرا

تیری صناعی و حکمت تری رزاقی کا
تذکرہ ہے لبِ مخلوق پہ ہر آں تیرا

ساری مخلوق میں انسان کو ممتاز کیا
ابنِ آدم پہ کرمِ خاص ہے رحمان تیرا

خالقِ کل ہے تو لاریب تیرا فضل و کرم
کافر و مشرک و مومن پہ ہے یکساں تیرا

بگڑی بن جائے، بھرم حشر میں رہ جائے گا
فضل ہوجائے جو رب سرِ میزاں تیرا

کر خطا معاف سکندؔر کی کہ ستّار ہے تو
اپنے جرموں سے یہ بندہ ہے پشیماں تیرا

سکندر لکھنوی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

کر لیجیے قبول یہ اپنے غلام کی
حاضر ہے یہ سوغات درود و سلام کی

لکھتا رہا جو داستاں تنہا میں رات بھر
نامِ رسولؐ آیا تو میں نے تمام کی

اے موت تجھ کو آنا ہے تو آنا اُس گھڑی
جب نعت پڑھ رہا ہوں میں خیرالانامؐ کی

میں بھی گداگروں کی صف میں جا کھڑا ہوا
خیرات بٹ رہی تھی محمدؐ کے نام کی

ذاتِ رسولؐ پاک کی پہچان نہ کرسکا
یہ بدنصیبی تھی عمرو ابنِ ہشام کی

سارے مسائلِ شرعی سمجھا دیے ہمیں
ورنہ خبر کہاں تھی حلال و حرام کی

میں نے درودِ پاک وظیفہ بنا لیا
جب انتہا ہوئی مرے رنج و آلام کی

سیرت کے سارے باب جب اشعار میں ڈھلے
تاثیر اور بڑھ گئی میرے کلام کی

جب یادِ مصطفیؐ میں ساحرؔ ڈوب جائے دل
رہتی نہیں خبر مجھے پھر صبح و شام کی

احسان حسن ساحرؔ

اداریہ

اسلام میں انسانی حقوق کا تصور

اسلام محض عبادات نہیں بلکہ حقوق العباد اور معاملات کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ اللہ رب العزت نے سورہ البقرہ میں نیکی کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر اللہ کی کتاب پر، پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور غلاموں کو آزاد کروانے پر خرچ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کرے تو اُسے پورا کرے، سختی، تنگ دستی، مصیبت، بیماری، جنگ کی شدت کے وقت صبر کرے، یہ اعمال اور اخلاق و کردار اپنانے والے لوگ ہی سچے اور پرہیز گار ہیں۔ اللہ رب العزت کا یہ فرمان زندگی کا کوڈ آف کنڈکٹ ہے۔ اسی فرمانِ الٰہی میں جہاں بہت سارے حکم صادر فرمائے گئے ہیں وہاں وعدوں کو پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور اپنے مال میں ضرورت مندوں اور مستحقین کو شامل کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اسلام نے بنی نوع انسان کی عزت و تکریم پر جس قدر توجہ مرکوز کی ہے، کسی اور چیز پر نہیں کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی لاتعداد احادیث مبارکہ موجود ہیں کہ کسی کو ناحق تکلیف نہ دو، اذیت میں مبتلا نہ کرو، عزتِ نفس کو مجروح نہ کرو، جو وعدہ کرو، اُسے پورا کرو۔ ہر سال یکم مئی کو مزدوروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ مقتدر حلقے سیاسی، سماجی تنظیمیں اور مختلف سماجی راہ نما اس دن مزدور کے حقوق اور وقار کی بات کرتے ہیں اور اس ضمن

میں شکاگو کے مزدور مقتولین اور ان کی جدوجہد کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ شکاگو کے مزدوروں نے اپنے حقوق کے لئے جانوں کے نذرانے دیئے اور اس وقت کی سرمایہ دار سوچ سے کسی حد تک ریلیف حاصل کیا۔ مزدوروں کی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کی تحریک کی عمر 200 سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے جبکہ اسلام نے 14 سو سال قبل جہاں ہر طبقہ کے حقوق و فرائض کا تعین کیا، وہاں مزدوروں کے لئے بھی ایک خصوصی چارٹر پیش کیا۔

اسلامی تعلیمات میں واضح احکامات دیئے گئے ہیں کہ جس سے جو وعدہ کرو اُسے پورا کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو جبکہ آج صورت یہ ہے کہ آج یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ اُنہیں کم سے کم معاوضہ ادا کر کے اپنا فائدہ حاصل کیا جائے اور اُن کی حق تلفی کی جائے۔ یہ رویہ بین الاقوامی قوانین، ملکی قوانین کے ساتھ ساتھ اسلام کے واضح احکامات کے بھی برخلاف ہے۔ کسی مزدور کا سب سے بڑا انسانی حق یہ ہے کہ اُسے اُس کی محنت کا بروقت اور پورا معاوضہ ادا کیا جائے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اسلام میں انسانی حقوق“ میں لکھتے ہیں: ”اسلامی فکر و عمل انسانی حقوق کو انسان کے اللہ تعالیٰ سے تعلق عبدیت کے نقطہ نظر سے دیکھتی ہے جبکہ انسانی حقوق کا مغربی تصور سیکولر ہے جو انسان کے بطور شہری ریاست سے تعلقات پر مبنی ہے، دونوں نقطہ ہائے نظر میں فرق یہ ہے کہ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمام کائنات کا رب ہے اور اس کے احکام بلند و برتر اور اعلیٰ قانون کا درجہ رکھتے ہیں“۔

مغرب کا انسانی حقوق کا تصور فرد اور ریاست کے تعلقات پر منحصر ہے جبکہ اسلام کا انسانی حقوق کا تصور ریاست اور جغرافیے کی حدود و قیود سے بالاتر ہے۔ انسان جس علاقہ اور خطہ میں بھی ہے بطور انسان اس کے کچھ حقوق ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کسی انسان کو ناحق قتل نہیں کیا جا سکتا، اُس کو بے توقیر نہیں کیا جا سکتا، چادر اور چار دیواری کا تحفظ دائمی اور غیر مشروط ہے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مزید لکھتے ہیں: ”عادلانہ اور منصفانہ معاشی نظام کے قیام کے لئے آجر و اجیر میں عدل و انصاف پر مبنی تعلقات کار ضروری ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام کے اسی بنیادی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مزدوروں کے حقوق کا تعین فرمایا اور انہیں ہر طرح کا معاشی تحفظ عطا کیا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق معاشی تفاوت انسانی مساوات کی روح کو بے اثر نہیں کر سکتی بلکہ نفس واحدہ سے تخلیق پانے کے سبب تمام انسان مساوی عزت و تکریم کے حامل ہیں“۔ اسلام کا تصورِ مساوات اسے باقی ادیان و مذاہب سے جدا اور بلند تر

اخلاقی مقام عطا کرتا ہے۔ انسانی معاشروں میں یہ تو قابلِ قبول ہے کہ کوئی شخص اپنی ذاتی کاوش، خداداد صلاحیتوں سے زیادہ مال و دولت جمع کر لے مگر اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ بالادست اور مال دار طبقہ، کمزور طبقات کو نظر انداز کر دے اور اُسے روٹی، کپڑا، مکان، روزگار جیسے بنیادی حق سے محروم کر دے۔ بے شک اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے یعنی رزق کی تنگی اور فراخی اللہ رب العزت کی قدرت میں آتی ہے تاہم کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے یا اُس کی تنگ دستی میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔

اسی طرح اسلام میں عورتوں اور بچوں سے مشقت کی ممانعت کی گئی ہے۔ بچے کسی بھی قوم کے مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں اور خواتین معاشرہ کا ناقابلِ فراموش حصہ ہوتی ہیں۔ ان کی اچھی تعلیم و تربیت اچھے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ اکثر بچے، خاص طور پر گاؤں، دیہات میں، سکول نہیں بھیجے جاتے اور کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کی تنخواہ یا دیہاڑی سے گھر کے خرچ میں مدد مل سکے۔ یہ سب وقتی طور پر کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن مستقبل میں اس کے منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا فقدان ان میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ بہتر ماحول،

معاشرہ میں باعزت مقام اور محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان میں معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ سگریٹ نوشی، بدکلامی، خود غرضی، پیسے کی ہوس، غم و غصہ کے جذبات اور بڑے ہو کر سرمایہ دار سے مخالفت، دشمنی اور بدلہ لینے کی خواہشات ان کے کردار کو تباہ کر دیتی ہیں۔ یہ تمام برائیاں اکثر ان سے بچپن میں مزدوری کرانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا بچوں سے محنت و مزدوری کروانے کو ممنوع قرار دینا اور ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا قوم و ملت کے لیے ضروری ہے۔ ایسا ہی کچھ حال خواتین سے مزدوری کروانے سے ہوتا ہے۔ کام پر جانے کی وجہ سے اکثر اوقات خواتین اپنے بچوں پر توجہ نہیں دے پاتیں، جس کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

مزدوروں کے حقوق کا تحفظ افراد، طبقات اور اداروں کی ذمہ داری بھی ہے تاہم اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی ذمہ داری ریاست کی ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی طبقہ مزدور کے حقوق کو غصب نہ کر سکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے اس حد تک واضح احکامات اور تعلیمات سے نوازا ہے کہ آپ ﷺ نے مزدور سے اُس کی مزدوری کے تعین سے قبل کام لینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح معروف احادیث مبارکہ ہیں کہ مزدور پر مزدوری کی ادائیگی کے حوالے سے ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور حکم دیا کہ مزدور کو مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس دنیا کی خوبصورتی اور تعمیر و ترقی کے سارے کھیل مزدور کی شبانہ روز محنت کے مرہون منت ہیں۔ اگر کسان گندم اگانا بند کر دے تو دنیا کی ایک بڑی آبادی بھوک کا شکار ہو جائے، مزدور ہاتھ روک لیں تو عالیشان گھروں کی تعمیر خواب بن کر رہ جائے۔ دنیا کے خوشحال ترین انسانوں کی خوشحالی محنت کش طبقہ کی خدمت کے مرہون منت ہے۔ ایک نہایت ایمان افروز حدیث مبارک ہے جسے پڑھ کر ہمیں اندازہ ہونا چاہیے کہ محنت کش کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں کیا عزت اور قدر و منزلت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی کا خادم اُس کے لئے کھانا تیار کرے پھر وہ کھانا لائے اور اس کی گرمی اور دھواں برداشت کر چکا ہو تو اُسے اپنے ساتھ بٹھالے کہ وہ بھی کھائے، اگر کھانا تھوڑا ہو تو اس میں سے خادم کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دے“۔ یہ مزدور کی محنت کا اعتراف بھی ہے اور اس میں انسانیت کی تکریم کا سبق بھی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں قرآن و سنت کے احکامات پر عمل درآمد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(چیف ایڈیٹر: ماہنامہ منہاج القرآن)

القرآن

احکامِ شریعت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

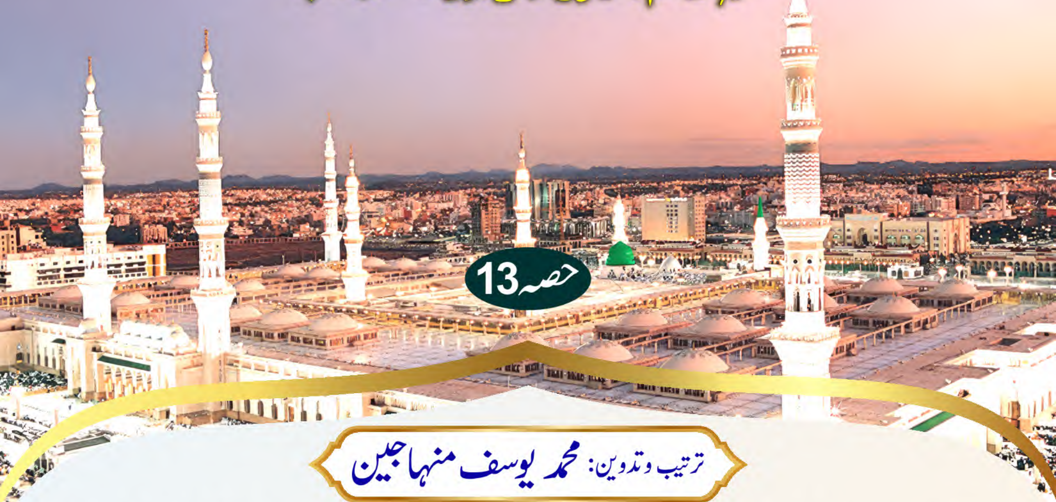

حصہ 13

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت قرآن مجید میں جب کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اپنے نام کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے نام کو بھی شامل کرتا ہے۔ اس اسلوب سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ احکامِ شریعت، محبت، اطاعت، ادب، تعظیم، اتباع، بیعت، وفاداری، الغرض وہ تمام احکامِ شریعت جن کا تعلق اللہ سے بھی ہے اور رسول ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بھی ہے، اس حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کے حکم میں کوئی تفریق و امتیاز نہ کیا جائے اور اس باب میں رسول کے حکم کی اہمیت کو کم نہ سمجھا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ اسی حکمت کے تحت رسول اللہ ﷺ کے نام کو اپنے ساتھ جمع اور شریک کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ جب اپنے کسی کام کا ذکر کرتے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملاتے ہیں کہ 'اللہ اور اس کے رسول نے یہ کہا یا کیا' حالانکہ وہ کام رسول اکرم ﷺ نے کیا ہوتا ہے مگر آپ ﷺ اسے دونوں یعنی اللہ کی طرف بھی اور اپنی طرف بھی منسوب فرماتے۔

اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اسماء کو جمیع احکامِ شریعت کے باب میں واؤ عاطفہ کے ساتھ جمع کرنے کے حوالے سے قرآن مجید کی آیات اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کا

(خطاب نمبر: Gi-35)، (دسمبر 2013ء)، (مقام: کینیڈا)

مطالعہ ہم اس سلسلہ وار مضمون کے گزشتہ حصہ میں کر چکے ہیں۔ آیئے! اس حوالے سے مزید احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت امامہ بن سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور اس میں یہ بھی درج کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰہُ وَرَسُولُہُ مَوْلَی مَنْ لَا مَوْلَی لَہُ۔

(ترمذي، السنن، أبواب الفرائض، باب ما جاء في ميراث الخال، ۴: ۴۲۱، رقم: ۲۱۰۳)

”جس کا کوئی مولیٰ نہیں، اس کا اللہ اور رسول مولیٰ ہے۔“

یعنی جس کا کوئی مدد گار، دوست اور حمایتی نہیں، اس کا مددگار، حمایتی اور دوست اللہ اور رسول ہے۔ پس اپنے اس فرمان میں آقا علیہ السلام نے اپنے اور اللہ کے اسماء گرامی دونوں کو ولایت میں یکجا کر دیا۔ اس اسلوب سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ یہ کہنا کہ ”صرف اللہ کا حکم حجت ہے اور رسول کا حکم حجت نہیں ہے“، یہ عقیدہ؛ قرآن مجید، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، حدیث و سنتِ نبوی، مکمل دین، شریعت کی تمام تعلیمات، آقا علیہ السلام کے عمر بھر کے معمول یہاں تک کہ دین کے مکمل مزاج کا انکار ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ عَامًا۔

(ابن ماجه، السنن، كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۷)

”جس نے کسی معاہد (وہ غیر مسلم جو معاہدۂ امن میں تھا اور اس کو اسلامی حکومت نے جان و مال کی اسی طرح کی امان دی تھی جس طرح مسلمان کو دی جاتی ہے) کو قتل کر دیا (محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ کافر ہے، حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑ بھی نہیں رہا) جس کی جان و مال کی حفاظت اللہ اور اللہ کے رسول کے ذمہ تھی تو قاتل جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے بھی سونگھی جا سکتی ہے۔“

اس حدیث مبارک میں ”ذمة اللہ و ذمة رسولہ“ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ خلفائے راشدین سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی جب ایسے امن کے معاہدے ہوتے تو وہ بھی یہ نہیں لکھتے تھے کہ ’معاہد خلفائے راشدین کے ذمے میں ہیں‘ بلکہ وہ لکھتے کہ ’وہ اللہ اور رسول کے ذمے میں ہیں۔‘ معلوم

ہوا کہ یہ عقیدہ صحابہ کا بھی تھا کہ وہ جسے امان دیتے تو کہتے کہ ’یہ اللہ اور رسول کی امان میں ہے‘ جس کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے تو کہتے کہ ’یہ اللہ اور رسول کی حفاظت میں ہے۔‘

افسوس کہ آج ذہن اتنے بدل چکے ہیں کہ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں توحید کی بڑی معرفت اور سمجھ ہے، وہ کہتے ہیں کہ ’جان تو اللہ کے ذمے ہوتی ہے، حفاظت اللہ کرنے والا ہے، رسول کا نام کیوں لے لیا ہے۔‘ یاد رکھیں! یہ جہالت کی انتہا ہے اور ہم نے اس جہالت کو علم کا نام دے رکھا ہے۔ آقا علیہ السلام سے بڑھ کر توحید کو جاننے والا اور اس کی تبلیغ کرنے والا کون ہے۔ آقا علیہ السلام معاہد کے بارے میں خود فرما رہے ہیں کہ ’اس کی جان کی حفاظت اللہ اور رسول کے ذمہ ہے‘ اور اپنے اس فرمان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور رسول کے نام کو خود جمع فرما رہے ہیں۔ جب سے احکامِ شریعت کے باب میں اللہ اور رسول کے نام کو جدا کرنے کا فتنہ شروع ہوا ہے، تب سے یہ ساری خرابی عقیدہ، عمل اور علم میں پیدا ہوگئی۔

۳۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اجْتَمَعَ أَرْبَعُونَ رَجُلا مِنَ الصَّحَابَةِ، يَنْظُرُونَ فِي الْقَدَرِ، وَالْجَبْرِ، فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، فَنَزَلَ الرُّوحُ الأَمِينُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اخْرُجْ عَلَى أُمَّتِكَ، فَقَدْ أَحْدَثُوا، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فِي سَاعَةٍ، لَمْ يَكُنْ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ فِيهَا، فَأَنْكَرُوا ذَلِكَ مِنْهُ، وَخَرَجَ عَلَيْهِمْ مُلْتَمِعًا لَوْنُهُ، مُتَوَرِّدَةً وَجْنَتَاهُ، كَأَنَّمَا تَفَقَّأُ بِحَبِّ الرُّمَّانِ الْحَامِضِ، فَنَهَضُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ، حَاسِرِينَ أَذْرُعَهُمْ تَرْعَدُ أَكُفُّهُمْ، وَأَذْرُعُهُمْ، فَقَالُوا: تُبْنَا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَقَالَ: أَوْلَى لَكُمْ إِنْ كِدْتُمْ لَتُوجِبُونَ، أَتَانِي الرُّوحُ الأَمِينُ، فَقَالَ: اخْرُجْ عَلَى أُمَّتِكَ، يَا مُحَمَّدُ فَقَدْ أَحْدَثَتْ.

(طبرانی، معجم الکبیر، ۲:۹۵، رقم: ۱۴۲۳)

چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ بیٹھ کر مسئلہ جبر و قدر پر غور و فکر کر رہے تھے۔ ان میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اسی دوران حضرت جبرائیل امین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس گروہ کے پاس تشریف لے جائیں، انھوں نے نئی بحث شروع کر دی ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو آتے دیکھا تو متعجب ہوئے۔ آپ کی حالت ایسی تھی کہ چہرہ چمک رہا تھا، رخسار سرخ تھے (غصے کی وجہ سے)۔ گویا کھٹے انار کے دانے پھٹ پڑے ہوں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوگئے، (خوف کے سبب) ان کی آستین اوپر تھیں اور بازو کانپ رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: افسوس تم پر! تم تو ہلاک ہونے کے قریب تھے۔ میرے پاس روح الامین آئے اور کہا: اس گروہ کی طرف جائیں، انھوں نے نئی بحث شروع کردی ہے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل اور فہم میں ہمیشہ ایسے سوالات ابھرتے تھے، لہذا یہ صحابہ بھی تقدیر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

آقا علیہ السلام کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تقدیر پر بحث کرنے سے منع کرنے سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ دین نے بحث و مباحثہ کی حد مقرر کی ہے کہ جس بات کے سمجھنے کی کامل صلاحیت نہ ہو، اس بارے میں بحث نہ کرو، یہ نہ ہو کہ حد عبور ہو جائے۔

اس حدیث مبارک میں ہمارے موضوع سے متعلقہ حصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس بحث کو ناپسند کیا ہے تو وہ تو عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہم اللہ کی بارگاہ میں اور اللہ کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

آقا علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نہیں فرمایا کہ 'کیا کہہ رہے ہو، توبہ تو صرف اللہ کی بارگا ہ میں ہوتی ہے، میری بارگاہ میں کیا توبہ کر رہے ہو۔' نہیں، یہ نہیں فرمایا، اس لیے کہ اسلوب یہ تھا کہ اگر معافی آقا علیہ السلام سے مانگنی ہے تو ساتھ ہی اللہ کا نام بھی لیا جاتا اور اگر اللہ سے معافی مانگنی ہے تو رسول اکرم ﷺ کا نام بھی ساتھ ہی لیا جاتا ہے۔

آج کا زمانہ صحابہ کرام، تابعین، اتباع التابعین، سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ دور اور روحانیت والے عقیدے سے اتنا دور چلا گیا ہے کہ آج اگر کوئی کہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں یا حضور علیہ السلام کی طرف تائب ہوتا ہوں تو کئی لوگ یہ سن کر کہیں گے کہ 'ایسا کہنا شرک ہے۔' افسوس کہ ہم نے ساری حدیں توڑ دی ہیں اور سمجھ ہی نہیں رہے کہ توحید کہاں تک ہے اور شرک کہاں سے شروع ہوتا ہے۔۔۔؟ کیا کہنا شرک ہے اور کیا کہنا شرک نہیں ہے۔۔۔؟ اللہ اور رسول کے لیے کیا کیا کلام کرنا بدستور توحید میں ہی رہنا ہے۔۔۔؟ ہمیں ان حدوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللهِ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتُوبُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ۔

(بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال والنساء، ۲: ۷۴۲، رقم: ۱۹۹۹)

”میں کچھ پردے خرید کر لائی، جن کے اوپر کچھ تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ ﷺ دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے۔ میں نے جب آپ کے چہرۂ اقدس پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے تو فوراً آگے بڑھی اور عرض کیا کہ مجھ سے جو خطا ہوئی ہے، اس پر میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں اور اللہ کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔“

ام المومنین کی اس بات پر آقا علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ’میری بارگاہ میں نہیں بلکہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں فرق ہم نے پیدا کیے ہیں۔۔۔ اِن بارگاہوں کو ہم نے جدا کیا ہے۔۔۔ ان ہستیوں کو قرآن نے جدا کیا اور نہ حدیث و سنتِ رسول نے جدا کیا۔۔۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، سیدنا ابو بکر و عمر، عثمان و علی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں جدا نہیں کیا۔۔۔ آقا علیہ السلام نے خود کو کبھی اللہ سے اور اللہ نے کبھی خود کو اپنے محبوب ﷺ سے جدا نہیں کیا۔

۵۔ آقا علیہ السلام نے ایک معاہدہ کے تحت اہلِ نجران کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔ اس معاہدے کے الفاظ تھے:

وَلِنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهَا ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ، عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَرهبانيتهم وأساقِفَتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُغَيَّرُ مَا كَانُوْا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُفْتَنُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقُفِيَّتِهِ، وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّتِهِ، وَلَا واقف مِنْ وقافيته، عَلَى مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ أَوْ كَثِيْرٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهَقٌ۔

(ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۸۸، رقم: ۳۵۸)

نجران اور اس کے اطراف کے لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان ہے۔ ان کی جانوں، ان کے دین، ان کی زمین، ان کے مال، مذہب، عبادت گاہوں، ان کے سرداروں، سفیروں، ان کے حاضر اور غائب افراد، وفود اور ان کے نمائندوں کے لیے۔ نہ ان کے موجودہ حالات کو بدلا جائے گا، نہ ہی کسی حق کو تبدیل کیا جائے گا۔ کوئی مذہبی راہنما اپنی حیثیت اور عہدے سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی راہب کو اپنی رہبانیت (عبادت) سے روکا جائے گا۔ نہ کوئی وقف کرنے والا اپنے وقف سے محروم ہو گا۔ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ، اس میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم یا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

آقا علیہ السلام اہلِ نجران اور ان کی پوری قوم، تمام طبقات، ان کے حاضرین، غائبین، چھوٹے بڑے تاجر، راہب، مرد عورت، الغرض ان کے تمام طبقات کی جان و مال، مذہب، تجارت، معیشت، سیاست اور جمیع امور میں حفاظت کی ذمہ داری کا ایک معاہدہ لکھوا رہے ہیں اور اس معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا جا رہا ہے:

ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ۔

اہل، نجران اللہ اور اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذمہ داری اور امان میں ہیں۔

☆ اسی طرح اہلِ ثقیف اور اہلِ ایلہ سے معاہدہ ہوا تو وہاں بھی آقا علیہ السلام نے ان کے لیے یہی جملے تحریر کروائے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۸۴، ۲۸۹) الغرض عہد نبوی کے تمام معاہدات اور دستاویزات میں جہاں بھی کسی کی جان و مال کی امان کا ذکر آیا ہے، ہر جگہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر یکجا ہے۔ یہ اسلام کا قاعدہ ہے اور یہیں سے ہمارا عقیدہ اخذ ہوتا ہے۔ اس سے اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان کا یکساں حجت ہونا۔۔ امت پر اللہ اور اللہ کے رسول کی ذمہ داری کا یکساں حجت ہونا۔۔ رسول کے فرمان، امان اور ذمہ داری کا فرمانِ الٰہی ہونا۔۔ رسول کی ذمہ داری، اللہ کی ذمہ داری قرار پانا۔۔ اور رسول کے ہر حکم کا امت کے لیے اللہ کے حکم کی طرح فرض و واجب اور حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان معاہدات میں یہود و نصاریٰ کو امان دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امان کو اللہ کی طرف سے بھی قرار دے رہے ہیں۔ اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا کہ 'امان دینے والا اللہ ہے، رسول تو امان دینے والا نہیں ہوتا، رسول تو اللہ کا قرآن اور وحی کی تعلیم پہنچانے کے لیے ہوتا ہے۔' ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ اس امان اور ذمہ کو اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی ہر ایک نے قبول کیا۔

☆ میثاق مدینہ میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگہ جگہ اللہ اور رسول کا اکٹھا ذکر فرمایا اور جہاں بھی امان یا کسی حکم اور ذمہ داری کا ذکر کیا تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اکٹھا فرمایا۔

☆ بنو زہیر کو امان نامہ لکھواتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّهُمْ آمِنُوْنَ بِأَمَانِ اللهِ وَرَسُوْلِهِ۔

(أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۷۷، رقم: ۲۰۷۵۶)

بنو زہیر کے لوگ اللہ کی دی ہوئی امان کے تحت اور اس کی رسول کی عطا کردہ امان کے تحت امان پا گئے۔

یہ امان انھیں رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں مگر آپ ﷺ اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو بھی شامل کررہے ہیں تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی کو حفظ و امان دینا درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے حفظ وامان دینا ہے۔

ہم بھی سفر پر جائیں تو ’’فی امان اللہ ورسولہ‘‘ کے الفاظ کہتے ہیں۔ اس کی دلیل بھی آپ ﷺ کے مذکورہ الفاظ ہی ہیں۔ یہ آپ ﷺ کا مستقل اصول تھا کہ اگر کسی کو امان دیتے یا معاہدات کے ذریعے کسی کے حفظ وامان کو یقینی بناتے تو اسی طرح کا کلام ارشاد فرماتے۔

۶۔ اہلِ ایلیاء سے معاہدہ کے وقت آپ ﷺ نے جو الفاظ تحریر کروائے وہ نہایت قابلِ غور ہیں۔ فرمایا:

وان تولیتم آذنکم بحرب من اللہ ورسولہ۔

(أبو قاسم، کتاب الأموال: ۲۷۰)

اگر تم اس معاہدۂ امن سے پھر گئے، اگر تم نے اس طے شدہ معاہدے کی مخالفت کی اور اسے توڑ ڈالا تو پھر میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کو دعوت دو گے۔

گویا آپ ﷺ نے امان کا معاملہ ہو تب بھی ’’اللہ اور اللہ کے رسول کی امان‘‘ کا ذکر کیا۔۔۔ اگر جان و مال کی پناہ کا معاملہ ہو تب بھی ’’اللہ اور اللہ کے رسول کی پناہ‘‘ کا ذکر کیا۔۔۔ اور جنگ کرنے کا معاملہ ہو تو تب بھی ’’اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ‘‘ کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

☆ قرآن مجید کا بھی یہی اسلوب ہے۔ ارشاد فرمایا:

یُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (المائدۃ، ۵: ۳۳)

یعنی جو لوگ ڈاکہ زنی کرتے ہیں، دہشت گردی کرتے ہیں، قتل و غارت گری کرتے ہیں اور معاشرے کو حراساں کرتے ہیں، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ مخالفت اور بغاوت تو حکمِ الٰہی سے ہو رہی ہے، مگر اللہ نے اپنے نام کے ساتھ رسول کے نام کا بھی ذکر فرمایا۔

۷۔ عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر لیثی کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور ان سے ہجرت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَا هِجْرَةَ الْيَوْمَ كَانَ الْمُؤْمِنُونَ يَفِرُّ أَحَدُهُمْ بِدِينِهِ إِلَى اللهِ تَعَالَى وَإِلَى رَسُولِهِ۔

(بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ہجرۃ النبی ﷺ وأصحابہ إلی المدینۃ، ۳:۱۴۱۶، رقم: ۳۶۸۷)

آج ہجرت نہیں ہے۔ قبل ازیں اہلِ ایمان کو اپنا دین بچانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھاگنا پڑتا تھا، اس خوف سے کہ کہیں وہ فتنے میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ لیکن آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کردیا ہے۔ آج اپنے رب کی جہاں کوئی چاہے عبادت کر سکتا ہے۔ ہاں اب جہاد اور نیت کا ثواب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان اس ہجرت سے متعلق ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، اب اس طرح ہجرت فرض نہیں ہے۔ وہ ہجرت صرف اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف تھی۔ قابلِ غور مقام یہ ہے کہ ہجرت ایک عمل ہے، جو صدقِ نیت پر قائم ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل پر قائم ہے، اللہ کے لیے سفر کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لیے ترکِ وطن کرنا ہے مگر اس ہجرت کو بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

☆ قرآن مجید میں بھی ہجرت کے متعلق اس اسلوب کو اختیار کیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ م بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (النساء، ۴: ۱۰۰)

”اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔“

بات اس طرح بھی مکمل ہو سکتی تھی کہ جو اللہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلا لیکن قرآن نے یہ اسلوب اختیار نہیں کیا کہ فقط ”ہجرت الی اللہ“ کہہ دیا، نہیں بلکہ ساتھ ہی ”رسولہ“ کا بھی اضافہ فرمادیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

الْأَعْمَالُ بِالنياتِ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ۔

(بخاري، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ہجرۃ النبی ﷺ وأصحابہ إلی المدینۃ، ۳:۱۴۱۶، رقم: ۳۶۸۵)

اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ پس جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لیے ہو یا کسی عورت سے

نکاح کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہے اور جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے۔

مذکورہ تمام احادیث میں ہر جگہ اللہ اور اللہ کے رسول کا نام اکٹھا ذکر ہو رہا ہے۔

۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی فقط یہ نہیں کہا کہ ''اللہُ أعلم'' (اللہ بہتر جانتا ہے) بلکہ وہ ہمیشہ یہی کہتے کہ اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے) جبکہ ہم میں سے کئی کہتے ہیں ''واللہ اعلم بالصواب''۔ کیا ہم صحابہ کرام سے زیادہ توحید کا فہم اور سمجھ رکھنے والے ہیں۔

اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ وَحْدَهُ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ (بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب أداء الخمس من الإيمان، ۱:۲۹، رقم:۵۳)

کیا تم جانتے ہو اللہ کی توحید پر ایمان لانا کیا ہے؟ صحابہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر انھوں نے یہ نہیں کہا بلکہ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

☆ حضرت زید بن خالد الجہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الآذان، باب یستقبل الامام الناس إذا سلم، ۱:۲۹۰، رقم:۸۱۰)

کیا تم جانتے ہو کہ آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

☆ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا:

يَا مُعَاذُ، هَلْ تَدْرِي حَقَّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، ۳:۱۰۴۹، رقم: ۲۷۰۱)

اے معاذ! کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے اور اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ؛ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا کی تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

(ترمذی، السنن، أبواب صفۃ القیامۃ، باب ۷، ۴: ۶۱۹، رقم: ۲۴۲۹)

کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

☆ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هَلْ تَدْرُونَ مَا هَذِهِ وَمَا هَذِهِ وَرَمَى بِحَصَاتَيْنِ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ (ترمذی، السنن، أبواب الأمثال، باب ماجاء فی مثل بن آدم وآجله وأمله، ۵: ۱۵۲، رقم: ۲۸۷۰)

کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے اور یہ کیا ہے اور دو کنکریاں پھینکیں۔ (یعنی کسی چیز کی مختلف مثالیں بیان کیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

☆ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن غروبِ آفتاب کے وقت آقا علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا:

يَا أَبَا ذَرٍّ، أَتَدْرِي أَيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب والشمس تجری لمستقر لها، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۴۵۲۴)

اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

آخر الذکر حدیث کے علاوہ دیگر مذکورہ احادیث کے حوالے سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ 'آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن امور کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا، ان کا تعلق ان دینی امور واحکام کے ساتھ تھا جو اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہی جانتے ہیں، اس لیے کہ یہ تمام احکام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے' اگر ان کی اس بات کو درست مان لیا جائے تو آخر الذکر حدیث مبارک کے حوالے سے کیا کہیں گے؟ اس سوال کا تعلق تو سائنس، کائناتی نظام اور سورج کی گردش کے نظام کے ساتھ ہے کہ غروب کے بعد سورج کہاں جاتا ہے؟ یہ مسئلہ قرآن مجید میں بیان نہیں ہوا تھا مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید میں وحی کے طور پر کوئی چیز نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس کا تعلق احکامِ شریعت کے ساتھ ہو یا احکامِ دنیا کے ساتھ، اس کا تعلق گردشِ شمس و قمر کے ساتھ ہو یا زمینی وآسمانی کائنات کے حقائق کے ساتھ، ان تمام کے بارے میں یہی جواب ہے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

مذکورہ تمام آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں اللہ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو جوڑا۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث وسنت نبوی میں اپنے

نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام کو بیان کیا۔۔۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمر بھر کا یہ معمول اور عقیدہ تھا کہ جب بھی ان سے کوئی چیز پوچھی جاتی یا وہ بتاتے، یا کسی کو امان دیتے یا کوئی معاہدہ کرتے تو ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسول کے نام کو اکٹھا ذکر کرتے۔

گویا اسلام کے عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کے فرمان کی حجیت یکساں ہے۔ اگر ہم اس اسلوب اور عقیدہ کے خلاف کریں گے تو سراسر ناجائز کریں گے۔ ایسا کرنا قرآن و حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ اور دین کا انکار کرنا ہوگا۔ اگر ہم رسول کے حکم اور ارشاد گرامی کو اللہ کے حکم اور ارشاد گرامی سے الگ ٹھہرا کر رسول کے حکم کی حجیت کا انکار کریں اور صرف اللہ کے فرمان اور قرآن کو حجت مانیں تو یہ پورے دینِ اسلام کی نفی ہے۔ حدیث کا حجت ہونا تو ایک طرف رہا، دین کے جمیع امور میں اللہ رب العزت نے اپنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو یکجا کر دیا۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان دونوں کو الگ کرنے اور ان میں کسی کی اہمیت زیادہ کرنے اور کسی کی اہمیت کم کرنے کا حق نہیں دیا ہے۔

(جاری ہے)

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا کاروبار کا نقصان حصہ دار کے ذمہ ڈالنا جائز ہے؟

جواب: کاروبار میں نفع و نقصان میں شراکت کے مطابق جیسا معاہدہ کیا جائے گا ویسا ہی اس کا حکم ہو گا۔ اگر پارٹنر کے ساتھ معاہدہ اس طرح طے ہوا تھا تو اس سے نقصان کا مطالبہ کر سکتے ہیں، و گرنہ نہیں۔ جس طرح منافع میں شراکت کا معاہدہ ہوتا ہے کہ کتنے فیصد منافع ملے گا، ویسے ہی نقصان میں بھی معاہدہ ہوتا ہے کہ حصہ دار نے نقصان کی صورت میں کتنے فیصد ادا کرنا ہے۔

سوال: کیا ادھار فروخت کرنے کی صورت میں زیادہ رقم وصول کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر کسی چیز کی قیمت 900 روپے ہے تو اس کو ادھار دیتے وقت یہ طے کیا جائے کہ اس کی قیمت 1000 روپے ہو گی۔ ایسا کرنا جائز ہے۔ یعنی 900 روپے کسی کو ادھار دے کر 1000 روپے وصول نہیں کیے جا رہے ہیں بلکہ سودا طے پا رہا ہے کہ یہ چیز ہے اس کی قیمت بعد میں دی جائے گی مگر چیز ابھی وصول کی جائے گی۔ اس میں گاہک کے لیے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے گاہک کی ایک حد تک ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اصولاً سودا صحیح ہے۔ البتہ دوکاندار گاہک سے حسن سلوک اور رحمدلی و ہمدردی کے تحت کم سے کم نفع لے تو اسلامی سیرت سے قریب تر ہے۔ اس طرح سودا شرعاً جائز ہے، اس میں حرمت کی دلیل نہیں۔

سوال: شے کو دیکھے بغیر اس کی بیع کا کیا حکم ہے؟

جواب: شریعت مطہرہ کی رو سے آپ جو جنس خریدتے ہیں اس کا تعین کرنا ضروری ہے کہ آپ نے کون سی اور کتنی جنس خریدی ہے۔ جنس بے شک وہیں رکھی رہے مگر وہ آپ کے قبضے میں ہونی چاہیے، کہ آپ جب چاہیں اس کو مصرف میں لائیں، چاہیں بیچیں یا صدقہ کر سکیں۔ اس کی مقدار، قسم اور قیمت وغیرہ کا تعین واضح کرنا لازم ہے۔ صرف اسی صورت میں آپ اس کے نفع و نقصان کے مالک ہو سکتے ہیں۔ آپ کا دوست اس خرید و فروخت پر آپ سے اجرت وصول کرے یا نہ کرے، یہ اس کی مرضی اور صوابدید ہے۔ مگر جنس، اس کی مقدار، قسم اور قیمت کو معین کرنا ضروری ہے۔

سوال: کیا فکس منافع دینے والی کسی مسلم یا غیر مسلم کمپنی کو اپنی رقم کاروبار کے لیے دینا جائز ہے؟

جواب: فکس منافع دینے والی کمپنی کو اپنی رقم کاروبار کے لیے دینا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس طرح کے کاروبار کے لیے شرعی طریقہ بیع مضاربہ اور مشارکہ کی صورت میں موجود ہے۔

☆ مضاربہ میں سرمایہ ایک شخص کا اور محنت دوسرے شخص کی ہوتی ہے، مضاربہ سے جتنا منافع حاصل ہو، طے شدہ مناسب کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

☆ مشارکہ میں دو یا زیادہ لوگ اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں، جو منافع ہوتا ہے، آپس میں طے شدہ مناسب کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں۔

مسلمان یہ دونوں طریقے اپنا کر اپنا کاروبار اور منافع بڑھا سکتے ہیں۔ کوئی بھی کمپنی ہو، خواہ مسلمانوں کی یا ہندوؤں کی یا کسی بھی، اگر اس نے منافع فکس کیا، مثلاً ایک لاکھ پر 5000 تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر منافع میں سے طے شدہ تناسب کے مطابق کمپنی آپ کو دے تو یہ جائز ہے۔ گویا فکس کرنے کے دو طریقے ہوئے:

(۱) ایک لاکھ لے کر 5000 دے دینا، یہ صورت جائز نہیں ہے۔ یہ سود ہے۔ (۲) دوسری صورت ایک لاکھ لے کر 10 یا 5 فیصد دے تو یہ جائز ہے۔

کیونکہ دوسری صورت میں رقم فکس نہیں ہے، اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ ہو سکتا ہے ایک ماہ آپ کا منافع 5 فیصد کی صورت میں 1000 ہو اور دوسرے ماہ 5 فیصد کی صورت میں منافع 8000 ہو، ایسی صورت میں انسان نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے۔ جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں ہے۔ اس نے ہر صورت میں 5000 جو فکس کیے ہیں، ادا کرنے ہیں اور یہ سود ہے جو حرام ہے۔

ایسی کمپنیوں میں کام کرنے والے ملازمین کے لیے شرعاً کوئی حرج نہیں، ان کے لیے جائز ہے، کیونکہ وہ فقط محنت مزدوری کرتے ہیں، سود کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا کمیشن پر محنت

مزدوری کرنے والوں کے لیے ایسی کمپنیوں میں کام کرنا جائز ہے۔ البتہ سود لینے والا، دینے والا، گواہ اور کاتب (اس کو لکھنے والا) ان کے لیے جائز نہیں ہیں۔ حدیث میں ان چار لوگوں کو سود خور کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ متبادل کام تلاش کرتے رہیں، جونہی انہیں کسی دوسری جگہ کام ملے، سود والی کمپنی سے فوراً کام کرنا چھوڑ دیں۔

حالت اضطراری میں حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے، اگر سود کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اور دوسرا کوئی راستہ نہیں تو پھر جائز ہے۔ جیسے جان بچانے کے لیے مردار کا کھالینا وغیرہ قرآن میں آیا ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

”پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔“ (البقرہ، ۲: ۱۷۳)

شرط یہ رکھی گئی ہے کہ وہ واقعی مجبور ہے، ورنہ نہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ کام کرنا یا تجارت کرنا اصلاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقط سود اور حرام کاموں میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہیے۔ فقط ایسے کفار سے جو مسلمانوں کے دشمن ہوں، جنہیں حربی کہا جاتا ہے، ان کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات جائز نہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہوں اور ہر وقت مسلمانوں کو ایذا اور تکلیف دیں۔

سوال: کیا شریعت نے منافع کی کوئی حد مقرر کی ہے؟

جواب: اسلام کا نظریہ معیشت فطرت سے ہم آہنگ اور تمام معاشی مشکلات کا حل ہے، اس لئے کہ یہ نظام نہ تجربات کا مرہون منت ہے اور نہ اقتصادی ماہرین کی ذہنی کاوش کا نتیجہ بلکہ یہ معاشی نظام پروردگار نے تجویز کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے پیش کیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (القصص، ۲۸: ۷۷)

”اور تو اس (دولت) میں سے جو اللہ نے تجھے دے رکھی ہے آخرت کا گھر طلب کر، اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بے شک اللہ فساد بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

اسلام کے معاشی نظام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ طبیعتوں میں بلندی، ذہنوں میں وسعت اور دلوں میں خلقِ خدا سے محبت پیدا کرتا ہے، وہ دولت جمع کرنے، یا تعیّش کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حاضر بارگاہ ہو کر عرض گزار ہوا:

يَا رَسُولَ اللهِ سَعِّرْ. فَقَالَ بَلْ اَدْعُو ثُمَّ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ سَعِّرْ فَقَالَ بَلِ اللهُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ وَإِنِّي لَاَرْجُو اَنْ اَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ لِاَحَدٍ عِنْدِي مَظْلَمَةٌ.

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اشیاء) نرخ مقرر فرمادیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ دعا کروں گا، پھر ایک شخص نے آکر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بھاؤ مقرر فرمادیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور میں یہ آرزو رکھتا ہوں کہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں کہ میں نے کسی پر بھی زیادتی نہ کی ہو۔“ (احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳۷، رقم: ۸۴۲۹)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاؤ بہت چڑھ گئے ہیں لہٰذا ہمارے لیے نرخ مقرر فرمادیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَاَرْجُو اَنْ اَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ يُطَالِبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ.

” نرخ مقرر کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، وہی رزق کی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور میں یہ تمنا رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ تم میں سے کسی کا مجھ سے مطالبہ نہ ہو، جانی یا مالی زیادتی کا۔“ (ابی داؤد، السنن، ۳: ۲۷۲، رقم: ۳۴۵۱)

اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام ایک مکمل نظامِ معیشت ہے جس میں دنیاوی منافع کو قرآنِ مجید نے ’فضل‘ اور ’خیر‘ کہا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال طریقے سے رزق کے حصول کو اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں اشیاء کو ذخیرہ کرکے مصنوعی قلت پیدا کرنے، اشیاء کے عیوب چھپا کر بیچنے، ملاوٹ کرنے، قسم کھا کر اشیاء فروخت کرنے، ناپ تول میں کمی کرنے اور ایسی ہی دیگر برائیوں سے باز رہنے کے نہ صرف احکام صادر فرمائے ہیں بلکہ ان پر سخت وعید بھی سنائی ہے۔

شرعِ متین میں متعارف کروائے گئے خرید وفرخت کے نظام میں منافع کی کوئی حد متعین نہیں کی کہ اتنا جائز ہے اور اس سے زائد ناجائز، تاہم شرع نے ناجائز اور ظالمانہ منافع خوری پر پابندی عائد کی ہے۔ اسلام نے حکومتِ وقت کو اختیار دیا ہے کہ منصفانہ منافع کا معیار مقرّر کرکے زائد منافع خوری کا خاتمہ کرے۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے مارکیٹ کی عام اور متعارف قیمت سے زیادہ وصول کرنا اور لوگوں کی مجبوری و لاعلمی سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں۔ ایسی ناجائز منافع خوری سے احتراز لازم ہے جس میں بازار کی عام اور متعارف قیمت سے زیادہ قیمت وصول کی جائے۔

سوال: غیر مسلموں سے کس حد تک تعلقات رکھنے چاہییں؟

جواب: غیر مسلم لوگوں کے ساتھ برابری کے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ ایسے تعلقات ہونے چاہیے جس سے ہماری قومی غیرت مجروح نہ ہو۔ اپنے عقائد کی حفاظت کریں اور ضرورت کے مطابق دوسروں سے تعلقات رکھیں۔ غیر مسلم کے ساتھ بطور کلاس فیلو، پڑوسی یا ساتھی کی حد تک تو دوستی رکھ سکتے ہیں لیکن اس وقت تک کہ وہ ہمارے عقیدہ کے لیے خطرہ نہ ہو۔ یعنی وہ اپنے عقیدہ پر رہے اور ہم اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ یا پھر یہ امید ہو کہ اسے ہم اسلام کی طرف لے آئیں گے تو دوستی رکھنا جائز ہے۔ اگر یہ خطرہ ہو کہ وہ ہمیں اسلام کی پٹڑی سے اتار دے گا تو پھر اس کے ساتھ دوستی جائز نہیں ہے۔

سوال: مسجد میں ایک بار جماعت ہو جائے تو کیا وہاں دوسری جماعت کرانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد میں ایک بار جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کروائی جاسکتی ہے۔ اگر اتفاقاً کچھ لوگ رہ جاتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر جان بوجھ کر پہلی جماعت سے نماز نہ پڑھے اور بدعت پھیلانے اور فتنہ پیدا کرنے کے لیے کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ ورنہ کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا ضامن پر مکمل ذمہ داری ڈالنا جائز ہے جبکہ اصل فریق موقع پر موجود ہو اور ضامن بار بار کہہ رہا ہو کہ یہ اصل بندہ آپ کے پاس موجود ہے اور آپ اپنے معاملات و واجبات اس سے طے کرلیں؟

جواب: کسی چیز پر ضامن ہونا یا کفالت کرنا اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً کفالت بالنفس، کفالت بالمال وغیرہ۔ اگر ضامن نے یہ کہا تھا کہ میں فلاں تاریخ کو بندہ حاضر کروں گا اور اس نے مقررہ تاریخ کو بندہ حاضر کر دیا تو ضامن بری الذمہ ہوگیا۔ اگر اس نے کہا کہ فلاں بندے نے مقررہ تاریخ تک رقم یا کوئی اور چیز واپس نہ کی تو میں ادا کروں گا تو ضامن کے لئے لازم ہوگا کہ وہ مقررہ تاریخ تک رقم کی واپسی کا بندوبست کرے۔

بغیر کسی شرط یا معاہدہ کے ضامن پر مکمل ذمہ داری ڈالنا درست نہیں ہے۔ اگر ضامن نے صرف یہ کہا تھا کہ میں بندہ حاضر کروں گا تو وہ بری الذمہ ہے۔ اگر اصل بندہ معاملات کو حل نہیں کر رہا تو پھر عدالت سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

نوجوانوں کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

جب ہم اپنے ارد گرد کے ماحول میں مایوسی اور پژمردگی کی کیفیات دیکھتے ہیں تو لامحالہ ایک سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ اگر پاکستان اور امت مسلمہ کے حالات اس طرح ہیں کہ ہمیں کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تو نوجوانوں کے لیے واضحیت کیسے پیدا کی جاسکتی ہے اور نوجوانوں کو اس ماحول میں پختگی، استقامت، جوش و خروش اور اپنے جذبوں کو سلامت رکھتے ہوئے سُوئے منزل کیسے گامزن رکھ سکتے ہیں؟

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر کسی بھی معاشرے سے نوجوانوں کا کردار نکال دیا جائے تو وہ معاشرہ نامکمل رہ جاتا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے معاشرے کے جسد سے روح نکل گئی ہو۔ دینِ اسلام اور امتِ مسلمہ کے مختلف ادوار کے ارتقاء، قوم وملت کی ترقی اور کامیابی واستحکام میں نوجوانوں کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ہم نوجوانوں کو یوں تعبیر کریں تو غلط نہ ہوگا کہ قوتوں، صلاحیتوں، امنگوں، بلند پرواز، اعلیٰ کردار اور ارفع عزم کا دوسرا نام نوجوان ہے۔ کسی بھی ملک و قوم کی کامیابی و کامرانی اور عروج و کمال کی عمارت نوجوانوں کے کردار کے بغیر تکمیلی مراحل تک نہیں پہنچ سکتی۔

جب ہم مختلف ادوار میں گزرنے والی نظریاتی، فکری، سیاسی تحریکوں اور ان کے نشیب و فراز کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی قوموں کی تاریخ بدلی، زمانوں نے کروٹ لی، نئے اطوار رقم ہوئے، نئے قوانین وضع ہوئے، نئے دساتیر لکھے گئے تو ان میں بھی نوجوانوں کا ہمیشہ کلیدی کردار رہا۔

انسانی زندگی؛ بچپن، جوانی اور بڑھاپا، ان تین مراحل سے گزرتی ہے۔ بچپن کا زمانہ معصومیت کا زمانہ ہے جو کھیل کود اور تفریح میں گزر جاتا ہے۔ بڑھاپا انسانی زندگی کا آخری مرحلہ تصور کیا جاتا ہے۔ جس میں انسان کی سوچ و فکر، عقل و دانش، شعور، افکار و نظریات اور زاویہ نگاہ پختہ و مجرب ہو چکے ہوتے ہیں اور اس کے اندر تحمل و بردباری اور برداشت کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ عمر کے اس آخری حصے میں اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے مگر اعصاب اور اعضاء مضمحل اور کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں، جذبات سلب ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی حوصلے بھی پست ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

ان دونوں مراحل کے برعکس جوانی کا مرحلہ وہ ہے کہ جب انسان کی عقل و دانش بھی جوان ہوتی ہے، اس کے اعصاب اور جسمانی قوت و توانائی بھی اپنے جوبن پر ہوتی ہے، اعضاء مضبوط ہوتے ہیں، حوصلے اور ہمت بھی بھرپور ہوتی ہے اور اس کے دل کی زمین بھی زرخیز ہوتی ہے۔ اس مرحلہ میں اس کی سوچ و فکر، عقل و خرد، فہم وادراک، نظریہ و فلسفہ، ظاہری جرأت اور باطنی قوت اس کی معاونت کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ جس سمت جانا چاہتا ہے، دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ وہ جو جہاں آباد کرنا چاہتا ہے، وہ آباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ وہ جو کرنا چاہے، اس کے لیے حالات سازگار ہوتے ہیں۔ اس مرحلۂ جوانی میں نوجوانوں کو اگر کوئی رہبر و رہنما مل جائے، انھیں تراشنے والا کوئی جوہری مل جائے تو وہ ہیرا بن کر ابھرتے چلے جاتے ہیں۔ نوجوانوں کی صلاحیتیں اس وقت تک چھپی رہتی ہیں جب تک انھیں کوئی جوہری نہیں ملتا۔ وہ جیسے ہی کسی جوہری کے ہاتھ لگتے ہیں تو گوہرِ نایاب بن کر سامنے آتے ہیں۔

اگر نوجوانوں کو کوئی پلیٹ فارم مل جائے، کوئی تحریک اور قیادت مل جائے، تعلیم و تربیت کرنے والا کوئی معمار مل جائے، رشد و ہدایت کے رستوں پر لے کر چلنے والا کوئی ہادی مل جائے۔ ان کی اصلاح کے لیے محنت کرنے والا کوئی مربی و شیخ مل جائے، انھیں تربیت یافتہ اور مہذب بنانے والا کوئی مصلح مل جائے تو ان کی ظاہر و باطن کی دنیا بدل جاتی ہے اور ان کی جوانی بے داغ اور پاک ہو جاتی ہے۔

نوجوانی کی عمر کی اہمیت: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں عالمِ شباب اور جوانی کی عمر کی اہمیت کو آپ ﷺ نے متعدد مقامات پر واضح فرمایا ہے: چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامۃ من عند ربہ حتی یسال عن خمس: عن عمرہ فیم افناہ، وعن شبابہ فیم ابلاہ، ومالہ من این اکتسبہ، وفیم انفقہ، وماذا عمل فیما علم۔

(سنن الترمذی، کتاب صفوۃ القیامۃ والرقائق والورع، ج: ۴، ص: ۶۱۲، الرقم: ۲۴۱۶)

"اللہ رب العزت کی بارگاہ سے قیامت کے روز کوئی بھی ابن آدم اس وقت تک اپنا قدم، اپنے مقام سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اس سے پانچ سوال نہ کر لیے جائیں: اس کی عمر کے بارے کہ اپنی عمر کن کاموں میں صرف کی؟ اور اس کی جوانی کے بارے میں کہ توانائی کہاں صرف کرتا رہا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ مال کیسے کمایا (حلال کمایا یا حرام کمایا) اور اس کو کس چیز میں خرچ کیا؟ اور جو علم حاصل کیا، اس پر کہاں تک عمل کیا؟"

گویا جوانی کے متعلق بھی پوچھا جائے گا کہ توانائیوں سے بھرپور زندگی کے اس مرحلہ کو کس طرح گزارا؟ قابلِ غور مقام یہ ہے کہ پہلے عمر کے متعلق سوال ہو چکا ہے اور عمر میں پوری زندگی آگئی مگر عمر کا تذکرہ کرنے کے بعد بالخصوص جوانی کے ایام کے بارے میں پوچھنا کہ اس دور کو کن مصروفیات کی نذر کیا؟ یہ سوال جوانی کے زمانے کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس دور اور مرحلہ کا بالخصوص حساب دینا پڑے گا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

(الحاکم، المستدرک علی الصحیحین ۴: ۳۴۱، الرقم: ۷۸۴۶)

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: - اپنی جوانی کو بڑھاپے سے قبل۔ صحت کو بیماری سے پہلے۔ امیری کو فقیری سے پہلے۔ فراغت کو مصروفیت سے پہلے۔ زندگی کو موت سے پہلے۔"

اس حدیث مبارک میں بھی جوانی کے مرحلہ کو غنیمت کہا گیا ہے یعنی یہ مرحلہ ایک ایسا موقع ہے جس میں انسان اپنی فوز و فلاح اور نجات کو یقینی بنا سکتا ہے۔ یعنی اگر جوانی مل جائے تو جوانی کا حیا کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اسے اس طرح گزارنا جس طرح دینے والے کی منشاء ہے۔ اسی طرح فراغت کے دور کو بھی غنیمت قرار دیا گیا کہ ان لمحات میں بھی انسان اپنی ذات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔۔۔ آنے والے حالات کا ادراک کرتے ہوئے اُن کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرے اور اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرے۔ گویا جوانی اور فراغت کا ہر ہر لمحہ اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں اٹھے۔۔۔ جوانی کی طاقت و جرأت مصطفوی مشن کے فروغ کے لئے اٹھے۔۔۔ اس زمانے کی طاقت، جرأت، حیا، وقار، منصب، علم، یہ سب رب کے لئے اور اس کی رضا جوئی میں وقف ہو۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ۲: ۷۱۵، الرقم: ۱۰۳۱)

”سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں سایہ مہیا کرے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا: عدل کرنے والا حکمران۔۔۔ اور وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت کے ساتھ پروان چڑھا۔۔۔ اور وہ جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے۔۔۔ اور ایسے دو جنھوں نے اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔۔۔ اور ایسا جسے مرتبے اور حسن والی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس (جوان) نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔۔۔ اور وہ جس نے چھپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ اس کا بایاں ہاتھ جو کچھ خرچ کر رہا ہے اسے دایاں نہیں جانتا۔۔۔ اور وہ جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔“

اس حدیث مبارک میں عبادت گزاری میں مصروف نوجوان کو اللہ کے سائے کی نوید دی جا رہی ہے۔ گویا نوجوان حقیقت میں وہی کہلائے گا جو اپنی جوانی کے ایام میں اللہ کے حقوق کی طرف بھی متوجہ رہا۔

۴۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن الله عزوجل ليعجب من الشاب ليست له صبوة.

(احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۵۱، الرقم: ۱۷۳۷۱)

”اللہ اس نوجوان سے خوش ہوتا ہے جس میں جوانی کی نادانی اور بے راہ روی نہیں ہوتی۔“

اس فرمانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی نوجوانی کے ایام میں نادانی اور بے راہ روی و عریانی سے محفوظ رہنے والے نوجوان کو رضائے الٰہی کی خوشخبری سنائی جا رہی ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

اصحابِ کہف کا کردار: نوجوانی کے لیے لائحہ عمل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نوجوانوں کے لیے لفظ ”فتی“ استعمال فرمایا ہے۔ لسان العرب میں

''فتی'' کا یہ معنی بیان کیا گیا ہے: ''فتی'' سے مراد عالم شباب اور نوجوانی کے آغاز والی عمر نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد کامل جوانی والا مرد ہے۔ جس کے اندر جرأت اور قوت موجود ہو۔ (ابن منظور، لسان العرب، ج:۱۵، ص:۱۴۶)

یعنی جو کلمہ حق بلند کرے تو پوری قوت و جرأت کے ساتھ اس پر ڈٹ جائے اور اس راہِ حق پر اسے اگر قربانی بھی دینا پڑے تو وہ دریغ نہ کرے اور مصلحت کا شکار نہ ہو۔

فتوۃ کا لفظ بھی ''فتی'' سے ہے۔ فتوۃ کا مطلب جانثاری، خدمت گزاری، استقامت اور ثابت قدم رہنا ہے۔ یعنی جوان وہی ہے جو ''فتوت'' کی تمام خوبیوں اوصاف کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ قرآن مجید میں نوجوانوں کے لیے لفظ ''فتی'' کے تحت مذکور آیات میں سے اصحاب کہف کے واقعہ والی آیات نہایت قابلِ غور ہیں۔ ان آیات میں غور کرنے سے نوجوانوں کے اوصاف واضح ہوتے ہیں کہ آج کے نوجوان کو کس کردار کا حامل ہونا چاہیے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (الکهف:۱۰)

''(وہ وقت یاد کیجئے) جب چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں راہ یابی (کے اسباب) مہیا فرما۔''

اس آیت میں اصحابِ کہف کا ذکر ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کا پہلا تعارف ہی یہ کرایا کہ وہ چند نوجوان تھے۔ اصحابِ کہف کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح کی التجا کرنے سے واضح ہوا کہ ان نوجوانوں کا اعتقاد اتنا پختہ تھا کہ انہیں یقین تھا کہ رحمت و فضل وہاں سے آنا ہے اور کامیابی کے اسباب بھی اس ذات نے عطا کرنے ہیں۔

یہ وہ نوجوان تھے جنہوں نے وقت کے طاغوت اور جابر بادشاہ کو للکارا، جب بادشاہ نے ان جوانوں کو بلایا اور شرک پر مجبور کرنا چاہا تو یہ نوجوان پیکرِ جرأت و حوصلہ ہوگئے، ان کی زبان پر حق جاری ہوگیا اور انہوں نے شرک کرنے سے انکار کردیا اور وقت کے طاغوت کے سامنے کلمۂ حق بلند کردیا۔

ان کی اس استقامت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی۔ (الکهف:۱۳)

''بیشک وہ (چند) نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لئے (نورِ) ہدایت میں اور اضافہ فرمادیا۔''

یہ نوجوان کلمہ حق پر ڈٹ گئے اور تھوڑی دیر کے لیے بھی شک و شبہ میں نہ پڑے اور یہ نہ سوچا کہ

جوانی بھی جائے گی، عیش و عشرت بھی جائے گا، عہدے، وزارت اور انعام و اکرام سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ سوچا کہ ہمارا انجام کیا ہو گا۔ وہ جب اللہ پر ایمان لے آئے تو پھر اس پر استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ نتیجتاً اللہ نے ان کے نورِ ہدایت میں مزید اضافہ فرما دیا۔ وہ اس شعر کے کامل مصداق تھے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مزید ارشاد فرمایا:

وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ۔ (الکھف: ۱۴)

اور ہم نے ان کے دلوں کو (اپنے ربط و نسبت سے) مضبوط و مستحکم فرما دیا۔ یعنی ان کے دلوں کو اپنا یقین عطا کر دیا اور ان کے قلوب میں اپنے اطمینان و سکون کی دولت نازل فرما دی۔

یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ (الفصلت، : ۳۰)

”بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہو گئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

یعنی جب بندہ پیکر استقامت بن جائے تو پھر اسے کسی بھی قسم کے خوف و غم کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، ظالموں اور زمانے والوں کا خوف اسے پریشان نہیں کرتا، اس لیے کہ جب وہ اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان نوجوانوں کو نسبتِ استحکام عطا کر دی، ان کے دلوں کو اپنا تعلق عطا کر دیا، ان کے سینوں میں تسکین اتار دی اور ان کو یقین دے دیا کہ جس راہ پہ چلے ہو، چشمہ یہیں سے پھوٹے گا، جس غار میں جا رہے ہو، تبدیلی یہیں سے آئے گی، جن انوارات کے انتظار میں ہو، اس کی تجلیات وہیں اتریں گی۔

پس اِن جوانوں کی حق گوئی اور استقامت دیکھتے ہوئے اللہ رب العزت نے ان کے دلوں کو اپنی محبت، رحمت اور کرم سے لبریز کر دیا، انہیں تعلق باللہ بھی عطا کر دیا، تعلق بالرسول بھی عطا کر دیا، تعلق بالکتاب اور تعلق باالایمان بھی عطا کر دیا۔

اس وقت اور آج کے دور میں بہت مماثلت ہے۔ ظالم حکمران اس وقت بھی تھے اور آج بھی ہیں،

ظلم و جبر تب بھی تھا اور طاغوت کا دور دورہ اب بھی ہے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو حق سمجھ رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ وہ سب کو اپنے ساتھ ملاتا جائے۔ کوئی نوجوانوں کی جوانی کے درپے ہے اور کوئی ان کے ایمان کو متزلزل کرنا چاہتا ہے۔

الغرض نظام کے اندر اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ ہر کوئی دعویٰ حق بلند کر رہا ہے۔ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ کون خدا اور محمد مصطفی ﷺ کی طرف لے کر جا رہا ہے اور کون راہِ شیطان کا مسافر بنا رہا ہے؟ انسانی معاشرے کو الجھا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ایسے میں نوجوانوں کو ایک ایسے رہنما و مربی کی طرف متوجہ ہونا ہوگا جو ان کی توجہ گنبدِ خضراء کی طرف مبذول کر دے اور ان کے دلوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مضبوط و مستحکم کر دے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ستكون فتن القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي، من تشرف لها تستشرفه، فمن وجد منها ملجا او معاذا فليعذ به۔ (صحیح البخاری، كِتَاب الْفِتَنِ، بَابُ تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، الرقم: ۷۰۸۱)

”عنقریب ایسے فتنے برپا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا ان میں چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا ان میں دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، جو دور سے ان کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو وہ ان کو بھی سمیٹ لیں گے۔ اس وقت جس کسی کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا بچاؤ کا مقام مل سکے وہ اس میں چلا جائے۔“

گویا فتنوں کے دور میں اگر کوئی شخص فتنے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی اس کو دیکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ فتنہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اگر اس دور میں کوئی محفوظ جگہ مل جائے تو غنیمت ہے۔ آج شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے منہاج القرآن کی شکل میں نوجوانوں کے ایمان و کردار کی حفاظت کے لیے ایک پناہ گاہ قائم کی ہے اور اس پلیٹ فارم کی صورت میں ایک ماوا و ملجا عطا کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے اس قوم کے جوانوں کی حفاظت کے لیے ایک ایسا نظام مہیا کیا ہے جہاں جوانوں میں علم، عمل، کردار، حیا اور اخلاق جیسی اقدار کو پیدا کیا جا رہا ہے۔ آج معاشرے میں جہاں ایک طرف نوجوان کلبوں میں جا رہے ہیں، بے راہ روی کا شکار ہیں، نوجوان اپنے بہن بھائی کا قتل، مال پیسے کی خاطر کرنے پر مجبور ہیں۔ حرام خوری، مکر و جھوٹ، فریب خوری، بددیانتی، دغابازی و دھوکہ دہی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف اسی دور میں شیخ الاسلام کی سرپرستی میں منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے نوجوان اعتکاف کے دس دن سجدہ ریز ہو کر آنسو بہا بہا کے خدا کو منا رہے ہیں۔۔۔ یانبی سلام علیک کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔۔۔ شب بیداریاں کر رہے

ہیں۔۔۔ مراکزِ علم کی شمعیں روشن کررہے ہیں۔۔۔ راہِ سلوک کی منازل طے کررہے ہیں۔۔۔ تربیت و تطہیرِ قلب و باطن کے پاکیزہ مراحل سے گزر رہے ہیں۔۔۔ اور اصلاح واحوالِ قلوب سے سرشار ہورہے ہیں۔ شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو منہاج القران کی غار میں اس طرح رکھا ہوا ہے کہ ان کے ایمان محفوظ ہوگئے اور زمانے کے سورج ان پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ شیخ الاسلام وقت کے سورج کی کرنوں سے بچا کر نوجوانوں کو اس غار میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں تاکہ زمانے کی گرم ہوائیں ان کے کردار اور سوچ کو جلانہ سکیں۔۔۔ ان کے افکار و نظریات کو متزلزل نہ کرسکیں۔۔۔ انھیں مصطفوی مشن سے ہٹا نہ سکیں۔۔۔ انھیں سوچ و فکر اور طہارتِ کردار واخلاق سے ہٹا نہ سکیں۔

اللہ رب العزت اصحابِ کہف کے واقعہ کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے:

مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا۔ (الکھف:۱۷)

”جسے اللہ ہدایت فرمادے سو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرادے تو آپ اس کے لئے کوئی ولی مرشد (یعنی راہ دکھانے والا مددگار) نہیں پائیں گے۔“

اس آیت کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے نصیب میں ہدایت لکھ دے تو اسے کوئی نہ کوئی ہادی و مرشد عطا فرما دیتا ہے۔ آج جب اللہ نے ہماری ہدایت کا ارادہ کرلیا تو شیخ الاسلام کے دور میں بھیج دیا۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ شیخ الاسلام ہمیں ملے ہیں، ان کا دور ملا ہے، ہم ان کی آغوش تربیت میں ہیں۔ وہ ہمارے اخلاق سنوار رہے ہیں، تہذیبِ اخلاق کررہے ہیں، وہی ہمیں اجلا و صاف ستھرا کر رہے ہیں اور مصطفوی مشن کے لیے تیار کررہے ہیں۔ وہ نوجوان جنھیں شیخ الاسلام نے تعلق باللہ اور ربطِ رسالت ﷺ عطا کیا، جنھیں اس آغوشِ منہاج القرآن میں سنبھالا دیا، جن کی تیاری وآبیاری کی، وہ بظاہر تو رہتے اسی معاشرے میں ہیں مگر ان کا وجود اصحابِ کہف کے غار جیسی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اس معاشرے میں وہی دیکھتے ہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ ان کا کھانا، بولنا، چلنا، رکنا، دنیاوی معاملات سرانجام دینا، اسی معاشرے میں ہوتا ہے لیکن ان کا ہر عمل خدا اور اس کے حبیب ﷺ کی منشاء ورضامندی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ سارا فیض منہاج القرآن اور شیخ الاسلام کا ہے۔

تو رہ نوردِ شوق ہے، منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو، دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو، تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صَنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمئ محفل نہ کر قبول

مقصدِ حیات اور فلسفۂ مزاحمت

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں کسی بھی وجود کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ ہر انسان، ہر وجود، ہر شے خواہ وہ چرند و پرند ہوں یا شجر و حجر، وہ حیوانات ہوں یا پھر انسان، ہر وہ شے جسے اللہ رب العزت نے تخلیق فرمایا ہے، اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مخلوق خود اپنے ہونے کا مقصد سمجھ نہ پائے یا کوئی دوسرا اس کے ہونے کا مقصد سمجھ نہ پائے۔ لیکن اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ یقیناً اس کی تخلیق کا مقصد اللہ کے ہاں ضرور ہے۔ یہ مقصد اس کے پیدا ہونے کے بعد اسے نہیں دیا گیا بلکہ اس کے دنیا میں آنے سے قبل اللہ رب العزت نے اس کی سرشت میں اس کا مقصد ودیعت فرما دیا تھا۔ دنیا میں آنے کے بعد اپنی شعوری استطاعت کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر انسان کو اپنے اسی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہوتی ہے۔ کچھ اپنی کوشش کے ذریعے اپنے مقصد تک پہنچ جاتے ہیں اور کچھ تمام عمر کوشش کرنے کے باوجود اس مقصد تک نہیں پہنچ پاتے۔

مقصدِ حیات کی وضاحت میں مولانا روم نے اپنی مثنوی میں شہد کی مکھی کی بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی کہ جیسے کائنات کے اندر ہر شے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو بھی بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ جیسے ہر انسان یا شے کو اس کا مقصد اس کی پیدائش سے پہلے عطا کر دیا جاتا ہے، اسی طرح شہد کی مکھی کو دنیا میں بھیجنے سے قبل اس کا مقصد دے دیا جاتا ہے۔ شہد کی مکھی

مختلف باغات میں جاکر پھولوں پر بیٹھ کر ان کا رس اکٹھا کرتی ہے، پھر اپنا چھتہ بنا کر وہ رس اس چھتے میں منتقل کرتی ہے۔ یہ اس کی تخلیق کا مقصد ہے چنانچہ وہ یہی کام سرانجام دیتی ہے اور بالآخر ایک بامقصد زندگی گزار کر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا شہد کی مکھی اس دنیا میں جس مقصد کو لے کر آتی ہے، وہ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے زندگی گزارتی ہے۔

مولانا روم شہد کی مکھی کے اس مقصد کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر یہ مکھی شہد بنانے کا کام نہ کرے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہ کرے بلکہ یونہی باغوں اور گلستان میں اڑتی پھری، پھولوں اور کلیوں پر بیٹھے، ان کا رس چوسے، لوگ اسے اڑتا ہوا اور پھولوں پر بیٹھے ہوئے بھی دیکھیں، یعنی دیکھنے میں شہد کی مکھی بہت مصروف زندگی گزارے لیکن اصل مقصد جو شہد پیدا کرنا ہے، وہ نہ کرے تو کیا اس مکھی نے اپنا حقیقی مقصد پورا کیا یا وہ بے مقصد مر گئی۔۔۔؟ یقیناً وہ شہد کی مکھی بے مقصد مر گئی۔ دیکھنے میں تو وہ بڑی مصروف نظر آئی لیکن اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکی۔

انسان بھی اس دنیا میں ایک مقصد لے کر آیا ہے لیکن ہماری اکثریت کی صورتِ حال یہ ہے کہ ہم لوگ سارا دن ایک ہزار کام کرتے ہیں۔ کبھی اس مجلس میں بیٹھتے ہیں تو کبھی دوسری مجلس میں جاتے ہیں۔۔۔ کبھی یہاں باتیں کرتے ہیں، کبھی وہاں باتیں کرتے ہیں۔۔۔ کبھی یہ کام کرتے ہیں، کبھی وہ کام کرتے ہیں۔۔۔ لیکن یکسوئی کے ساتھ زندگی کا کوئی ایک مقصد جسے ادا کرنا ہے، وہ ہمارے شعور میں واضح ہی نہیں ہوتا، نتیجتاً بے مقصد زندگی گزار کر ہم اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف اگر کوئی شخص لوگوں سے بہت زیادہ ملتا جلتا نہ ہو، گوشہ تنہائی میں رہتا ہو، بہت سارے کام نہ کرتا ہو، اس کا سوشل سرکل بہت زیادہ نہ ہو، لیکن جس ایک مقصد کے لیے وہ آیا ہوا ہے، اس میں مصروف ہے اور وہ صرف اپنے مقصد کو مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس شخص نے اپنے آنے کا مقصد پورا کر دیا اور یہ اللہ کی نظر میں کامیاب ہے۔ ایسا بندہ لوگوں کی نظر میں شاید کوئی مفید ثابت نہ ہوا ہو لیکن گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر جس مقصد کے لیے آیا تھا، خواہ اس نے ایک یا دو کتب ہی تحریر کیں، مگر جانے سے پہلے وہ ایک تاریخی کام کر کے لوگوں کو دے گیا تو گویا اس نے اپنے آنے کا مقصد پورا کر دیا۔

مقصد اور ضرورت میں فرق

بد قسمتی سے آج ہم بے مقصدیت کا شکار ہیں اور آج کی نوجوان نسل اس میں بہت زیادہ مبتلا ہو گئی ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ پیسے کمانا مقصد ہے تو جان لیں کہ یہ مقصدِ حیات نہیں بلکہ یہ زندگی کی ضروریات

میں سے ایک ہے۔ مقصدِ حیات یقیناً کچھ اور ہے۔ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے، رزق کماتا ہے، چاہے وہ جانور ہے، انسان ہے یا چرند پرند، ہر ایک نے رزق حاصل کرنا ہے۔ اگر مقصدِ حیات حصولِ رزق ہے تو سب کا مقصدِ حیات رزق ہوا، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک کا ایک انفرادی تشخص ہے جو کائنات میں پیدا ہونے والی ہر شے کے ساتھ خاص ہے اور یہی مقصدِ حیات اسے دوسروں سے انفرادیت بخشتا ہے۔ کھانا تو تمام مخلوقات کو ملتا ہے، یہ تو سب کی ضروریات میں سے ہے لیکن انسان کی وہ خصوصیت کیا ہے جو اسے اپنے معاشرے میں منفرد بناتی ہے۔ یہ وہ شعورِ مقصد ہے جو اللہ رب العزت نے درحقیقت انسان کے اندر اس کی پیدائش سے پہلے ودیعت فرمادیا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم اسے پورا نہیں کرتے۔

مقصدِ حیات کو پورا نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ جب ہم ہوش سنبھالتے ہیں تو دنیا کی رنگینیاں، رونقیں، شوروغل اور سوشل سرکل؛ ہمارے خیالات، افکار اور سوچوں کو منتشر کردیتے ہیں۔ نتیجتاً ہمارا دھیان اصل مقصد سے ہٹ جاتا ہے اور ہم گردونواح میں رائج حالات و واقعات میں کھو جاتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، ہماری نگاہ اپنے حقیقی مقصد سے ہٹ جاتی ہے، ہم کسی اور سمت سوچنا شروع کردیتے ہیں اور زندگی گزارتے گزارتے مقصدِ حیات سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک گائیک (گانے والا) کسی محفل میں گیا۔ اسے ساری زندگی کی ریاضتوں کے بعد اس محفل میں پہلی مرتبہ سنانے کا موقع مل رہا تھا لیکن اسے موقع میسر نہ آسکا تو واپسی پر ان الفاظ کے ساتھ اس نے اپنے جذبات کا اظہار کیا کہ ”میں جو سنانے آیا تھا وہ نہ سنا سکا۔ میری ساری زندگی صرف ساز اور آواز صاف کرنے میں گزر گئی۔“ اگر انسان ساری زندگی ایک ہزار کام کرتا رہے مگر کوئی خاص کام اور کردار ادا کیے بغیر وہ دنیا سے رخصت ہوجائے تو جان لیں وہ صرف ساز اور گلا صاف کرتا رہا، وہ کسی کو کچھ سکھا اور سنا نہ سکا۔

مقصدِ حیات اور انسانی جبلت

یاد رکھیں! اللہ رب العزت نے انسان کی جبلت میں اس کے مقصد کی طرف میلان رکھا ہے۔ انسان کی طبیعت حالات سے وجود میں آتی ہے جبکہ اس کی جبلت ازل سے اللہ رب العزت نے اس کے اندر رکھ دی ہے۔ انسان کا میلان ہمیشہ اس کی جبلت کی طرف ہوتا ہے۔ طبیعت چونکہ حالات کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے، اس لیے یہ اسے گمراہ کردیتی ہے۔ اگر انسان اپنی طبیعت سے بالاتر ہوکر اپنی جبلت پر غور کرے تو اسے اپنے اندر ایسے میلانات نظر آئیں گے جو اس کے لیے علامتی زبان (Sign

(language) کا کام کریں گے اور وہ جان جائے گا کہ اللہ رب العزت نے اس کے لیے کیا مقصدِ حیات مقرر فرمایا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب انسان باہر کے کانوں کو بند کر کے اندر کی آوازوں کو غور سے سننے کی کوشش کرے۔

ہم سارا دن اس قدر شور و غل میں رہتے ہیں اور اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ہم اپنے اندر کی آواز اور جبلت کی پکار کو سن نہیں پاتے۔ جس کی وجہ سے اصل مقصدِ حیات کی طرف ہمارا ذہن متوجہ نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت نے انسان کے لیے کوئی بھی ایسا مقصد نہیں رکھا جسے پورا کرنا انسان کے بس کی بات نہ ہو۔ اگر ہم کسی ایسی چیز کو مقصد سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں جسے حاصل کرنا یا مکمل کرنا، ہمارے بس میں نہیں تو وہ یقیناً طبیعت کا شاخسانہ ہو سکتا ہے، جبلت کا تقاضا نہیں۔

اللہ رب العزت نے ہر انسان اور نفس کو خیر پر پیدا فرمایا ہے لیکن جب انسان حالات و واقعات اور گزرتے ہوئے لمحات و کیفیات میں گم ہو جاتا ہے تو اس جبلت کی آواز اور احساس کو بھلا دیتا ہے۔۔۔ اسے نظر انداز کرنے لگتا ہے۔۔۔ اس جبلت کی پکار کو ان سنی کر دیتا ہے۔۔۔ اور حالات کی وجہ سے جو طبیعت بن چکی ہے، بس اس کی طرف متوجہ ہو کر ہوائے نفس کے ساتھ چلنے لگ جاتا ہے۔

جس دن اس نے جبلت کی پکار سنی، اسی دن اسے مقصدِ حیات مل جائے گا جو یقیناً رزق اور دنیا کی دولت کمانے سے بہت بڑا ہے۔ رزق اور دولت کمانا ہر شخص کی ضرورت ہے لیکن مقصدِ حیات اس Output کا نام ہے جو منفرد ہوتی ہے، اس لیے کہ ہر انسان نے کچھ نہ کچھ اس کائنات میں لازم کرنا ہے۔

مقصدِ حیات کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

مقصدِ حیات کو حاصل کرنے کی طرف جب ہم سفر کرتے ہیں تو محققین اور فلاسفہ نے اس کی دو جہات بیان کی ہیں:

۱۔ ظاہری جہت ۲۔ باطنی جہت

مقصدِ حیات کی ظاہری جہت کا تعلق اس دنیا کے اندر کردار ادا کرنے سے ہے جبکہ باطنی جہت کا تعلق آخرت سے ہے۔ ان دونوں جہات کا آپس میں ربط کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ دو الگ سمتوں میں رہیں تو انسان ذہنی مشقت کا شکار رہتا ہے اور انسان کئی بار دوہری شخصیت (Split personality) کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دنیا کی زندگی کسی اور مزاج پر جیتا ہے اور آخرت کا مقصد کسی اور انداز سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر مقصدِ حیات کی ظاہری اور باطنی جہت کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو انسان کی زندگی بہت آسان

ہو جاتی ہے، انسان کا سفر بہت آسان ہو جاتا ہے اور وہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ تمام تر صلاحیتیں اب ایک نہج اور ایک راستے پر صرف ہو رہی ہیں لیکن اگر مقصدِ حیات کی یہ دونوں جہات الگ الگ سمتوں پر ہوں تو انسان مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے اور کئی طرح کے ڈپریشنز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس لیے کہ جب دھیان دو الگ الگ علاقوں پر ہو تو آخرت کے مقصد کے حصول کے لیے انسان کو اپنی توجہ ظاہری مقصد سے ہٹا کر آخرت کی طرف کرنا پڑے گی اور دنیا کے حصول کے لیے توجہ کو باطنی جہت سے ہٹا کر دنیا کی طرف کرنا پڑے گی۔ نتیجتاً اسی تبدیلی میں ہی اس کے وقت کا ضیاع ہوتا چلا جائے گا۔

اگر کوئی مقصد حیات کے حصول کے لیے ایک ایسا راستہ اپنا لے جو اللہ رب العزت کی بندگی والا راستہ بھی ہو اور اسی راستے سے دنیا کے مقاصد کا حصول بھی میسر آرہا ہے یعنی دنیا اور آخرت ساتھ ساتھ بنتی چلی جا رہی ہے تو پھر اس راستے پر اس کی رفتار دو گنا ہو جاتی ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ ہر شخص کے پاس موبائل فون ہے۔ اس موبائل کی ایک بیٹری ہے۔ اگر ہم اسے چارج کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میری بیٹری 100 فیصد ہے۔ اب یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ اسے ہمیں ضروری کالز کے وقت استعمال کریں تاکہ بیٹری اس مقصد کے لیے زیادہ عرصہ تک موجود رہے اور چاہیں تو سوشل میڈیا، میسجز، ڈرامے یا دیگر کلپس دیکھ دیکھ کر اسے اس قدر جلد ختم کر دیں کہ ضروری کالز کرنے اور سننے کے لیے بھی یہ ہمیں میسر نہ رہے۔

اسی طرح ہماری حیات بھی ایک بیٹری ہے۔جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اس کی بیٹری 100 فیصد ہوتی ہے، جو آہستہ آہستہ خرچ (Consume) ہوتی جا رہی ہے اور بالآخر اسے زیرو ہو جانا ہے۔ ہمارا مقصدِ حیات دو نوں طرح کا ہے۔ اس کی ظاہری جہت بھی ہے اور باطنی جہت بھی ہے۔ان دونوں جگہ پر انسان کو کامیاب ہونا ہے۔ اب اگر ہم اپنی بیٹری کو احتیاط سے استعمال نہیں کرتے تو نقصان سے دوچار ہوں گے۔اگر 100 فیصد بیٹری اسی دنیا کی ضروریات کے لیے خرچ کر دیں تو جب آخرت میں جانے کا وقت آئے گا تو بیٹری زیرو ہو گی اور وہاں کے لیے کچھ نہیں بچا ہو گا۔اس کا مطلب ہے کہ وہاں خسارہ ہی خسارہ ہو گا کیونکہ 100 فیصد بیٹری دنیا کے امور پر خرچ کر دی۔

کچھ سمجھدار لوگ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بیٹری لائف کو احتیاط سے تقسیم کرتے ہیں ۔اس کا 50 فیصد دنیا میں خرچ کرتے ہیں اور 50 فیصد ان امور پر خرچ کرتے ہیں جس

سے براہِ راست آخرت ملا کرتی ہے۔ان کی طرف اشارہ قران مجید کی اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقر،۲: ۲۰۱)

” اور انہی میں سے ایسے بھی ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“

ان لوگوں کو دنیا کی خیر بھی میسر آتی ہے اور آخرت کی خیر بھی ان کے دامن میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ کامیاب ہیں اور اچھے نمبروں کے ساتھ پاس ہوگئے۔ان کے مقابلے وہ لوگ جنہوں نے 100 فیصد دنیا پر خرچ کر دیا اور آخرت کے لیے کچھ نہ کیا، وہ آخرت میں فیل ہوگئے۔ 50 فیصد دنیا کے امور پر اور 50 فیصد آخرت کے امور پر خرچ کرنے والوں نے دنیا بھی اچھی کر لی اور آخرت بھی اچھی کر لی اور دونوں امتحان اوسط نمبر (Average numbers) کے ساتھ پاس کیے۔کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کی بیٹری کی ٹوٹل انرجی کا 50 فیصد دنیا پر لگایا اور 50 فیصد آخرت پر لگایا۔

کچھ لوگ ان سے بھی زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہماری آخرت تو نہ ختم ہونے والی ہے تو کیوں نہ ہم اپنی زندگی کی بیٹری کا 40 فیصد دنیا پر خرچ کریں اور 60 فیصد آخرت کے لیے خرچ کریں۔وہ نصف نصف والوں سے زیادہ بہتر ہوگئے۔

کچھ ان سے بھی زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ہم 30 فیصد دنیا کے لیے خرچ کریں گے اور 70 فیصد آخرت کے لیے خرچ کریں گے۔اب آخرت میں ان کا درجہ بلند ہوگیا کیونکہ انہوں نے زندگی کی بیٹری کا 70 فیصد آخرت کے لیے صرف کر دیا۔

کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی بیٹری کا صرف 10 فیصد دنیا کے لیے خرچ کرتے ہیں اور 90 فیصد اپنی حیات کی بیٹری آخرت میں کامیابی کے کاموں کے لیے خرچ کرتے ہیں۔یہ لوگ A+ میں چلے جاتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جو بروزِ قیامت نور کے منبروں پر نظر آئیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت یہ ساری خیر برابر کیوں نہیں تقسیم کرتا کہ دنیا بھی بہت اچھی ہو جائے اور آخرت بھی بہت اچھی ہو جائے۔۔۔دنیا میں بھی کمال درجے کے رئیس ہو جائیں اور آخرت میں بھی بڑے رئیسوں میں شمار ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی بلکہ ہم نے خود ہی پیدا کی ہے۔ ہم چاہیں تو اپنی زندگی کی بیٹری کو 100 فیصد دنیا کے لیے خرچ کر دیں اور چاہیں تو 100 فیصد آخرت کے لیے خرچ کر دیں۔ جو جس قدر اپنی زندگی کی بیٹری کا استعمال دنیا کے لیے کرے گا، وہ اسی قدر آخرت میں خسارے کا سامنا کرے گا اور جو جس قدر زندگی کی بیٹری کا استعمال آخرت کے لیے کرے گا، وہ اسی قدر اللہ کی بارگاہ سے فضل و کرم پائے گا۔

انسان کی زندگی ایک محدود بیٹری لائف کی مانند ہے، جسے یا تو مکمل طور پر دنیاوی کامیابی کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے یا پھر اسے دنیا اور آخرت کے درمیان متوازن طور پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ اپنی تمام تر توانائیاں صرف دنیاوی ترقی پر لگا دیتے ہیں، وہ بظاہر دنیا میں ترقی کرتے نظر آتے ہیں، لیکن آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ جبکہ جو لوگ اپنی زندگی کو دنیا کی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور آخرت کی تیاری کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں، وہ دونوں جہانوں میں کامیاب رہتے ہیں۔ یہی ایک معتدل اور کامیاب زندگی کا راستہ ہے۔

دنیا اور آخرت کے درمیان توازن رکھنے یا مکمل طور پر کسی ایک کا انتخاب کرنے کا ممکنہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اللہ نے ہر انسان کو ایک محدود زندگی دی ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی توانائی اور وقت کو کہاں خرچ کرتا ہے۔ جو لوگ اپنی ساری توانائیاں اور وقت دنیاوی ترقی، مال و

دولت، شہرت اور آرام و آسائش کے لیے وقف کر دیتے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بہت زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی ترقی دوسروں کے مقابلے میں دو گنا یا کئی گنا زیادہ ہوتی ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ ہوں گے کیونکہ انہوں نے وہاں کے لیے کچھ بھی ذخیرہ نہیں کیا۔ یہ ایک خسارے کا سودا ہو گا۔

کچھ لوگ اپنی زندگی کو متوازن رکھتے ہیں۔ وہ 50 فیصد دنیا پر اور 50 فیصد آخرت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان کی دنیاوی ترقی شاید اتنی زیادہ نہ ہو جتنی 100 فیصد دنیا پر خرچ کرنے والوں کی ہوتی ہے، لیکن وہ ایک اوسط زندگی گزارتے ہیں، جہاں ان کی ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں اور آخرت کا ذخیرہ بھی بنا رہتا ہے۔ ان کے لیے نہ دنیا میں پریشانی ہونی چاہیے اور نہ آخرت میں، کیونکہ انہوں نے خود ایک سمجھوتہ کر لیا ہے۔

وہ لوگ جو تقریباً پوری زندگی آخرت کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ دنیاوی ترقی میں کمزور نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی ساری توانائیاں آخرت کے لیے وقف کر دی ہوتی ہیں، اور وہاں وہ بہت زیادہ کامیاب ہوں گے۔

یہ فیصلہ ہر انسان کو خود کرنا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو کیسے تقسیم کرتا ہے۔ یہی شعور اور فیصلہ سازی انسان کی اصل آزمائش ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے کتنا حصہ کس کے لیے رکھتا ہے۔ پس اس حوالے سے ہمارے اذہان میں یہ تشویش پیدا نہیں ہونی چاہیے کہ اللہ نے خیر تمام لوگوں میں برابر تقسیم کیوں نہیں کی۔ یاد رکھیں یہ سودا ہم نے خود کیا ہے۔ کسی نے دنیا و آخرت دونوں حصے دنیا میں ہی طلب کر لیے، کسی نے ایک حصہ دنیا میں ہی طلب کر لیا مگر ایک حصہ آخرت کے لیے رکھا۔ کسی نے دنیا کا حصہ کم رکھا اور آخرت کے لیے زیادہ رکھا اور کئی ایسے بھی ہوئے اور ہیں جنھوں نے دنیا سے 10 فیصد طلب کیا اور 90 فیصد حصہ آخرت کے لیے رکھ دیا۔ یہ کامیاب ترین لوگ ہیں۔ یہ دنیا میں کمزور، فقیر اور خستہ حال نظر آئیں گے اور دنیادار انھیں اپنی مجلسوں میں نہ بٹھائیں گے لیکن وہ ان سے بے نیاز ہوں گے۔

اسی مقصدِ حیات کا شعور اللہ تعالیٰ جنھیں عطا کر دیتا ہے اور جنھیں لگن، شوق، جذبہ اور عشق کی آگ نصیب ہو جاتی ہے، وہ بڑی بڑی کامیابی کی منازل پر بھی بیٹھ کر بھی تڑپتے رہتے ہیں، ان کی روح بے قرار رہتی ہے اور وہ ہمیشہ سوچتے رہتے ہیں کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔

(جاری ہے)

ظلم و زیادتی کا ازالہ اور نقصِ امن سے گریز

گزشتہ سے پیوستہ

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ اپنی ذاتی اور انفرادی اصلاح و درستگی کو مدنظر رکھے اور اس کے بعد اس کو اس بات سے کوئی سروکار نہ ہو کہ اس کے ارد گرد معاشرے میں کیا ہو رہا ہے اور معاشرہ کس قسم کے اخلاقی، سماجی معاشرتی بگاڑ اور کن ہولناک خرابیوں کا شکار ہو رہا ہے؟ کسی معاشرتی اور عمومی بگاڑ اور خرابی کا نقصان اس کے مرتکب کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے بُرے اور تکلیف دہ اثرات متعدی ہوتے ہیں اور سارے معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ اس وقت تعلیماتِ نبوی ﷺ سے بہت دور ہو چکا ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داری ہے کہ ہم صرف اپنی ذاتی، اپنے خاندان اور اپنے اہل و عیال کی فلاح و بہبود اور ان کی بہتر سے بہتر زندگی کے لیے فکر مند نہ رہیں بلکہ معاشرے میں ظلم و زیادتی کے ازالہ کے ساتھ ساتھ نقصِ امن کے اسباب سے بھی گریز کریں۔ اسی صورت ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں، برکات اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرا سکتے ہیں۔

فقط اپنے لیے، اپنے کاروبار اور اپنے اہل و عیال کے لیے جینا کوئی کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے لیے جیے اور مرے، ظلم کی بیخ کنی کے لیے اپنی صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق کاوشیں

بروئے کار لائے اور قیامِ امن کے لیے ہر سطح پر اپنا کردار ادا کرتا رہے۔ ذیل میں ظلم و زیادتی کے ازالہ اور نقصِ امن کے اسباب سے گریز کے حوالے سے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داریوں کو بیان کیا جا رہا ہے:

ظلم و زیادتی کا ازالہ، ہماری معاشرتی ذمہ داری

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ (Might is right) کا اندھا، کالا اور ظالمانہ قانون دنیا کے ہر خطے میں رائج رہا ہے۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل روم، ایران، یورپ، ہندوستان وغیرہ جیسے تمام ممالک میں انتہائی ظالمانہ اور استحصالی نظامِ حکومت نافذ تھا۔ ہر جگہ بڑے، باوسائل لوگ، سلاطین، حکمران، درباری امراء و زعماء، ارباب من دون اللہ بنے ہوئے تھے۔ ان کے تشدد، مظالم، جبر و قہر، ناانصافی، ناترسی اور سنگ دلی کے واقعات پڑھ کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خطۂ عرب کی صورتِ حال کا اندازہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس فی البدیہہ اور فصیح و بلیغ تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے ہجرتِ حبشہ کے موقعہ پر شاہِ نجاشی کے سامنے فرمائی تھی۔ انھوں نے دورِ جاہلیت کی عمومی معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

’’اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں سے ہر طاقتور آدمی کمزور آدمی کو کھا (اس کا استحصال کر) رہا تھا (یاکل القوی منا الضعیف) پس ہم اسی (پریشان کن) صورتِ حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا جو ہم میں سے ہی ہے، ہم اس کے نسب، خاندان، اس کی صداقت، اس کی امانت اور اس کی پاکدامنی کو بخوبی جانتے ہیں۔‘‘ (ابنِ ہشام، سیرت النبی ﷺ، ۱: ۳۵۸)

اس تقریر کا ایک جملہ یاکل القوی منا الضعیف (ہم میں سے ہر قوی آدمی ضعیف و کمزور آدمی کو کھا رہا تھا) انتہائی قابلِ غور ہے جو ہمارے مذکورہ موقف کی تائید کرتا ہے۔

عرب میں اسی قسم کے عمومی حالات میں جب غرباء و مساکین اور کمزور لوگوں پر ظلم و زیادتی بڑے لوگوں کا عام وطیرہ بن چکا تھا تو مکہ کے ایک رئیس اور بااثر آدمی عاص بن وائل سہمی نے جب قبیلہ زبید کے ایک اجنبی مسافر سے مال خرید کر اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا تو ہر طرف سے مایوس ہو کر اس زبیدی نے ایک دن جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر حرم شریف میں اپنے اوپر ہونے والے اس ظلم و

زیادتی کے خلاف واویلا کرتے ہوئے ’’آلِ فہرک‘‘ کو اپنی مدد کے لیے پکارا تو نبی رحمت ﷺ کے تایا جان حضرت زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر علاقے کے ایک بزرگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں چند قبائل کے معززین اور سرکردہ حضرات نے اس قسم کے ظلم و زیادتی کی روک تھام اور ازالہ کے لیے ایک معاہدہ کیا جو ’’حلف الفضول‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔

نبی رحمت ﷺ کی عمر اس وقت اگرچہ صرف بیس سال تھی اور یہ عمر عام طور پر مذکورہ قسم کے قومی، سنجیدہ اور سماجی و معاشرتی مسائل میں دلچسپی رکھنے کی نہیں ہوتی مگر مظلوموں کی حمایت و نصرت کے فطری جذبہ کے تحت آپ ﷺ نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی، جس میں یہ عہد کیا گیا تھا:

۱۔ اہل مکہ یا باہر سے آنے والے کسی بھی آدمی پر ظلم ہوگا تو ہم لوگ ہمیشہ کے لے اس کی حمایت میں ایک ہاتھ اور طاقت بن جائیں گے۔

۲۔ ظالم کے خلاف ہاتھ اس وقت تک اٹھا رہے گا جب تک کہ وہ مظلوم کا حق واپس نہ کر دے۔

۳۔ ہر اجنبی اور مسافر کے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

یہ معاہدہ چونکہ رحمتِ دو عالم ﷺ کی فطرتِ سلیمہ اور انصاف پسند مزاج کے عین مطابق اور آپ ﷺ کے غمخوار دل کی آواز تھا، اس لیے بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ اس معاہدہ میں شرکت پر بڑے فخر کے ساتھ اظہارِ مسرت فرمایا کرتے تھے۔ اس معاہدہ میں نبی رحمت ﷺ کی شرکت محض ’’خانہ پری‘‘ اور ’’برکت‘‘ کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے اس میں بھرپور اور سرگرم کردار ادا کرتے ہوئے نوجوانوں کا ایک گروہ ساتھ ملا کر اس میں جان ڈال دی تھی، جو ذمہ دارانِ معاہدہ کے فیصلوں پر عملدرآمد کرایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ مکہ کے ایک دولت مند تاجر نے جب حسب عادت مکہ کے باہر سے آنے والے ایک شخص کی بیٹی اغوا کر لی تو آپ ﷺ نے نوجوانوں کی جماعت کی مدد سے اغواء شدہ بچی کو برآمد کرایا۔ اسی طرح ایک دفعہ ابو جہل نے مکہ مکرمہ میں آنے والے ایک تاجر سے سامان خرید کر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا تو آپ ﷺ نے اکیلے جا کر اس تاجر کو ابو جہل سے قیمت دلوائی۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)، (ابن ھشام، سیرت النبی ﷺ، ۱: ۱۴۵)، (امام سہیلی، الروض الانف، ۱: ۱۵۷)

’’ظلم‘‘ سے مراد وہ ناروا کمی یا زیادتی ہے جو لوگ ایک دوسرے پر کرتے ہیں اور یہ ظلم و زیادتی قرآن و سنت کی متعدد نصوص کے مطابق حرام ہے۔ ظلم و زیادتی کی روک تھام پر تعلیماتِ محمدی میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور قصاص و حدود کی کڑی اور عبرتناک سزائیں رکھی گئی ہیں۔ اس میں یہی

حکمت اور مصلحت نظر آتی ہے کہ اگر ظلم کی روک تھام نہ کی جائے اور اس کے سامنے مضبوط بند نہ باندھا جائے تو پوری قوم اور ملک کا امن و امان برباد ہو کر رہ جائے اور لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت داؤ پر لگ جائے۔ چنانچہ قرآن مجید کی صریح ہدایت ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (المائدۃ، ۵: ۲)

”اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے۔“

نبی رحمت ﷺ نے اہلِ اسلام کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ نہ تو ایک دوسرے پر ظلم کریں اور نہ کسی مسلمان پر ظلم ہونے دیں۔ (صحیح بخاری، ابواب المظالم والقصاص)

آپ ﷺ نے اہلِ اسلام پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ وہ ظلم کا تماشا نہ دیکھتے رہیں بلکہ آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ پکڑ لیں۔ چنانچہ خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

انصر اخاك ظالما او مظلوما۔ قال: یا رسول الله! هذا ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالما؟ قال: تاخذ فوق يديه۔ (صحیح بخاری، ابواب المظالم والقصاص)

تو اپنے بھائی کی مدد کر، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم مظلوم ہونے کی حالت میں اپنے بھائی کی مدد کریں (یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے) مگر اس کے ظالم ہونے کی صورت میں ہم اس کی کیسے مدد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کی مدد یہ ہے) کہ تو اس کے ظالم ہاتھوں کو پکڑے۔

پھر حدیث کے الفاظ اور ترکیب سے مترشح ہوتا ہے کہ ظالم آدمی کا ہاتھ روک کر اس کی مدد کرنا مظلوم کی مدد کرنے سے مقدم ہے۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ آنے والے زمانوں میں بے وقوف، جاہل اور ظالم قسم کے حکمران آئیں گے اور ساتھ یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ جو آدمی ایسے حکمرانوں کے پاس جا کر ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور (اپنے قول و فعل) سے ان کے ظلم پر ان کی اعانت کرے گا:

فلیسوا منی ولست منھم، ان کا مجھ سے اور میرا ان سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ)

خلاصہ یہ کہ ظلم کا ازالہ اور ظالم کو اپنی حد تک روکنا اور اس کے خلاف احتجاج کرنا تاکہ وہ اس سے باز آجائے ہماری معاشرتی ذمہ داری ہے۔ اگر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں گے تو اس خاموشی اور

چشم پوشی کا نقصان سارے معاشرے کو پہنچے گا۔

نقصِ امن کے اسباب سے گریز، ہماری معاشرتی ذمہ داری

عمومی مشاہدہ کے علاوہ اس حقیقت پر قرآن مجید کی نص موجود ہے کہ معاشرتی امن و امان کا ہونا اور معاشرے کا دنگا فساد، خون خرابہ، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بدامنی سے محفوظ و مامون ہونا، اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے۔ معاشرتی امن و امان اور اطمینان و سکون کی غیر معمولی اہمیت و ضرورت اور افادیت کے پیشِ نظر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایسے قول و فعل سے سختی سے منع فرمایا اور اس کی مذمت بیان فرمائی ہے جو معاشرے کے امن و امان میں خلل انداز یا اشتعال انگیزی اور لڑائی جھگڑے کا باعث و سبب بن سکتا ہو اور ایسے تمام امور کی تعریف و توصیف اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے جو معاشرے میں باہمی محبت، رواداری اور صلح، امن و آشتی کا ذریعہ بنتے ہوں۔

ذیل میں ہم چند ایسے بڑے بڑے اسباب کی نشاندہی کریں گے جو معاشرتی امن کے لیے سم قاتل کا درجہ رکھتے ہیں اور ان سے بچنا ہماری معاشرتی ذمہ داری ہے:

(ا) تنگ نظری سے بچنا

معاشرے میں فتنہ و فساد، خون ریزی، زیادتی اور پھر بدامنی کا ایک بڑا سبب تنگ نظری ہے۔ تنگ نظری کا معنی: رنگ، نسل، وطن اور عقیدہ یا مذہب میں اختلاف کی بنیاد پر اپنے مخالف کو برداشت نہ کرنا، اسے قبول نہ کرنا، اسے دیکھ نہ سکنا اور اس سے زندگی کا حق بھی چھین لینے کی کوشش کرنا ہے۔

قاضی عیاضؒ اور دوسرے محدثین و سیرت نگاروں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ’’صفتِ حلم‘‘ کی وضاحت و تفصیل میں متعدد مثالیں بیان کی ہیں۔ یہاں صرف ایک بے نظیر مثال کا ذکر کافی ہوگا:

جب نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ مذاکرات اور گفتگو کے دوران ان کی عبادت کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے کھلے دل سے انہیں مسجد نبوی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دعوھم، انہیں چھوڑ دو اور اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے دو۔ بعد ازاں اسلام سے ان کے انکار کے باوجود انہیں امان نامہ بھی عنایت فرمایا۔ (ابنِ قیم، زاد المعاد، ۳: ۶۲۹)

(۲) عصبیت کی نفی

انسانی معاشرے میں نقصِ امن کے اسباب و وجوہات میں سے ایک بڑا سبب ’’عصبیت‘‘ بھی ہے۔ عصبیت یہ ہے کہ آدمی کسی کی محض اس بنیاد پر حمایت کرے کہ وہ اس کی قوم اور برادری سے تعلق رکھتا ہے، چاہے وہ ناحق، غلط اور دوسرے پر ظلم کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

امن العصبیة ان یحب الرجل قومه؟

کیا یہ بات عصبیت میں داخل ہے کہ آدمی اپنی قوم کے ساتھ محبت رکھے۔ فرمایا:

لا ولکن العصبیة ان ینصر الرجل قومه علی الظلم

(مشکوٰۃ المصابیح، باب المفاخرۃ والعصبیۃ)

نہیں: بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم و زیادتی کے معاملے میں بھی اپنی قوم کی مدد کرے۔

نبی رحمت ﷺ نے عصبیت کے جذبہ کے قلع قمع کے لیے بطور وعید ارشاد فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ)

’’وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جس نے (دوسرے لوگوں کو) عصبیت کی طرف بلایا اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جس نے محض عصبیت کی بنا پر (کسی دوسرے سے) جنگ کی اور وہ آدمی بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے جذبہ پر مر گیا۔‘‘

احادیث میں ’’مامنا‘‘ اور ’’لیس منا‘‘ یا ’’لیس منی‘‘ کے الفاظ کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ حد درجہ زجر و توبیخ اور تنبیہ کے لیے آتے ہیں۔ یہ جملہ عموماً آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر اس وقت آتا جب کوئی کام کفر کے قریب اور ایمان کے منافی ہوتا۔ پھر ایک

مسلمان کے لیے نبی رحمت ﷺ کی طرف سے لاتعلقی کے اعلان سے بڑھ کر بڑی بدنصیبی اور بدبختی یا سزا کیا ہو گی۔

(۳) اسلحہ کی نمائش سے گریز کی تعلیم

معاشرتی امن کے بگاڑ کا ایک سبب اسلحہ کی نمائش بھی ہے کیونکہ کسی آدمی کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنے میں چاہے، وہ مذاق میں ہی ہو، ایک تو اس بات کا خدشہ ہے کہ مشارٌ الیہ آدمی خوف زدہ ہو گا اور اچانک خوف زدہ ہونے سے انسان کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرا اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ اسلحہ غیر ارادی طور پر چل جائے اور سامنے والا آدمی جان سے جائے اور یہ چیز باہمی خونریزی اور پھر معاشرے میں بدامنی کا ذریعہ بن جائے۔ اس لیے ''سد ذریعہ'' کے طور پر نبی رحمت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یشیر احدکم الی اخیه بالسلاح فانه لا یدری احدکم لعل الشیطان ینزع فی یده فیقع فی حفرة من النار۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب النہی عن الاشارة بالسلاح الی مسلم)

''تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان (اسے غصہ دلا دے اور) اس کے ہاتھ میں کپکپی طاری کر دے، پھر وہ (بے گناہ قتل کی سزا میں) جہنم کی آگ میں جا گرے۔''

ایک دوسری حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

من اشار الی اخیه بحدیدة فان الملئكة تلعنه حتی یدعه وان كان اخاه لابیه وامه۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب النہی عن الاشارة بالسلاح الی مسلم)

جس آدمی نے اپنے بھائی کی طرف کسی آہنی ہتھیار سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت (رحمت الٰہی سے دوری کی بددعا) بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس اشارہ کو ترک کر دے، چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

اب بھائی کے عموم میں مسلمان کے علاوہ غیر مسلم انسانی بھائی بھی آ سکتا ہے۔ گویا غیر مسلم کو بھی اس انداز میں ڈرانا دھمکانا جائز نہیں۔

(۴) ڈرانے، دھمکانے یا دہشت گردی کی ممانعت

کسی کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا بھی چونکہ انسان کے ذہنی اطمینان و سکون اور امن و امان میں خلل انداز ہوتا ہے، چاہے وہ ہنسی مزاح میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے نبی رحمت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا یحل لمسلم ان یروع مسلما۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من یاخذ الشئ من مزاح)

کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔

کسی آدمی کا مال چھپانا بھی چونکہ اس کے لیے پریشانی اور ڈر کا سبب ہوتا ہے، اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا کرنے سے بھی منع کیا۔ ارشاد فرمایا:

لا یاخذن احدکم متاع اخیہ لاعبا ولا جادا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من یاخذ الشئ من مزاح)

تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کا سامان ہر گز نہ چھپائے، نہ مذاق میں، نہ جان بوجھ کر۔

یہ تو معمولی قسم کے خوف اور ڈر پیدا کرنے سے ممانعت ہے۔ بڑے پیمانے پر خلقِ خدا کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا، دہشت پھیلانا، بے گناہ انسانوں کا قتل کرنا، ان پر تشدد کرنا، خودکش حملے کرنا، لوگوں کے املاک اور جائیدادیں تباہ کرنا، ان کی عزت وآبرو سے کھیلنا، ملک میں بدامنی اور انارکی پھیلانا جسے آج کی اصطلاح میں دہشت گردی (Terrorism) کہا جاتا ہے، ان سب کا دینِ مصطفوی میں کہاں جواز ہو سکتا ہے۔ یہ سب اعمال دینِ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ تعلیماتِ اسلامیہ قطعی طور پر ان افعال کی نفی کرتی ہیں۔

(۵) ذاتی و شخصی ذمہ داریاں

ایک آدمی کی ذاتی و شخصی اعتبار سے کئی حیثیات و مراتب ہو سکتے ہیں، مثلاً بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، والد، والدہ، شوہر، بیوی، داماد، سسر، ساس، بہو، طالب علم، استاذ، شاگرد، پڑوسی، دوست، رشتہ دار، اہل محلہ، دکاندار، گاہک، کارخانہ دار، مزدور، امام، خطیب، موذن، مقتدی، افسر، ماتحت، سیاستدان، حکمران، وزیر، مشیر، سول و آرمی آفیسر، سپاہی، زمیندار، مزارع، مہمان، میزبان، محرم، غیر محرم وغیرہ ہونا۔ اب کسی بھی حیثیت سے وہ شتر بے مہار، مادر پدر آزاد اور ''میرا جسم میری مرضی'' کا مالک نہیں کہ اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق جو کچھ اس کے دل میں آئے، وہ کرتا جائے۔ اس شتر بے مہاری اور ''من چاہی روش وطرزِ زندگی'' کا دنیا کا کوئی بھی قانون، حکومت اور معاشرہ اجازت نہیں دیتا اور ایک مسلمان و کلمہ گو تو اس بات کا پابند ہے کہ اس کی تمام خواہشات تعلیماتِ نبوی ﷺ کی پابند ہو جائیں۔ چنانچہ اس حوالے سے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اُس دین یا شریعت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اس حدیث کی رو سے مذکورہ حیثیات میں سے ایک مسلمان کی معاشرے میں جو بھی حیثیت ہے، اس حیثیت کے حوالے سے تعلیماتِ نبوی ﷺ نے اس پر جو معاشرتی ذمہ داریاں عائد کی ہیں، ان کا پورا کرنا اس کے لیے شرعی و اخلاقی فریضہ ہے۔ والدین، اولاد، اساتذہ، بیوی بچوں الغرض ہر وہ شخص جس کے ساتھ ہمیں اپنی روزمرہ زندگی کے اندر واسطہ پڑتا ہے، اُن تمام کے حوالے سے اپنی معاشرتی ذمہ داریاں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا ہمارا اخلاقی و قانونی فریضہ ہے۔

خلاصۂ بحث

معاشرے کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنے دائرہ میں اور اپنی جگہ پر ذمہ دار ہے۔ معاشرے میں جس کی جتنی بڑی حیثیت اور جتنا بڑا عہدہ ہے، اس کی معاشرتی ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی ہے۔ ظاہر ہے جو ذمہ داری ایک سربراہِ حکومت کی ہوگی وہ عام آدمی یا شہری کی نہیں ہو سکتی۔ نبی رحمت ﷺ کے ارشاد گرامی؛ **كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته** کے مصداق ہم میں سے ہر ایک نگران اور محافظ ہے اور قیامت کے دن ہم سے ہماری رعیت (زیرِ نگرانی افراد اور اشیاء) کے بارے پوچھا جائے گا۔

اس قاعدہ و کلیہ کی رو سے ضروری ہے کہ معاشرے میں اگر کہیں کسی فرد پر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے تو اس ظلم کا روکنا ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ظالم کا ہاتھ اگر نہ روکا جائے تو پھر معاشرے میں کسی کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ نہیں رہے گی۔ اسی طرح معاشرتی امن و امان کو قائم رکھنے کے لیے عقلی و نقلی طور پر ضروری ہے کہ ان تمام اسباب و محرکات سے بچنے کی کوشش کی جائے جو معاشرتی امن و امان تباہ کرنے کا باعث بن سکتے ہیں کیونکہ معاشرتی امن و امان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ بعد ازیں ہر فرد کا اپنی ذاتی و شخصی حیثیت سے معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرنا بھی عقل و نقل کا تقاضا ہے اور اس سلسلے میں نبی رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

خوف سے بچاؤ کے قرآنی اصول

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

انسان کی جبلت اور فطرت میں باری تعالیٰ نے خوف، غم و حزن اور مسرت و شادمانی بھی رکھی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں جب اپنے لیے کوئی فوری خطرہ محسوس کرتا ہے تو اس کا ردعمل وہ کبھی پریشانی کی صورت میں دیتا ہے، کبھی گھبراہٹ اور کبھی خوف و دہشت کی صورت میں دیتا ہے۔ انسان کو جب بھی زندگی میں کوئی گہرا صدمہ پہنچے یا وہ کسی حادثے کا شکار ہو، کسی غم میں مبتلا ہو یا کسی مہلک مرض کا شکار ہو، کسی نامعلوم خوف کے قبضے میں ہو یا کسی سازش اور شیطنت کا شکار ہو تو اس وقت اس کے خوف کا علاج کیسے کیا جائے؟ جدید دنیا نے اس پر ریسرچ کی ہے۔ مختلف ماہرین نفسیات نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں مگر جس جواب کو سب سے زیادہ پذیرائی اور مقبولیت ملی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو تسلی کے چند کلمات اور اطمینان کے چند الفاظ یا جملے بولے جائیں، یوں اس کے خوف، دکھ اور خطرے کا مداوا ہو جائے گا۔

انسانی زندگی میں یہ خوف ایک مریض کو سب سے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ اس کا مرض جوں جوں بڑھتا ہے توں توں اس کو اپنی زندگی کے بارے میں لاحق خوف بڑھنے لگتا ہے۔ اس پر یہ خوف مسلط ہو جاتا ہے کہ مرض کا بڑھنا اس کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔ جسمانی امراض اور مرضِ خوف و خطرہ میں

مبتلا مریضوں کے لیے رسولِ رحمت ﷺ نے ایک جامع اصولِ طب عطا فرمایا ہے جو رفعِ خوف کا باعث ہے۔ ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے آپ اپنی وہ چیز دکھائیں جو آپ کی پشت پر ہے کیونکہ میں طبیب ہوں، آپ نے فرمایا:

الله الطبیب بل انت رجل رفیق طبیبها الذی خلقها۔

(سنن ابی داود، حدیث نمبر ۴۲۰۷)

''طبیب تو اللہ ہے، بلکہ تو رفیق ہے (مریض کو تسکین اور دلاسہ دیتا ہے) طبیب تو وہی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے''۔

یہ حدیث مبارک ایک طبیب کو واضح راہنمائی عطا کرتی ہے کہ وہ مریض کے علاج کے ساتھ ساتھ اس کی تسلی و اطمینان کے لیے چند الفاظ بول کر اس کے خوف کو دور کرے اور اس کو نفسیاتی طور پر مضبوط کرے، مرض کے خلاف اس کے مدافعاتی عمل کو تقویت دینے کے لیے اس مریض کو خوف اور صدمے سے باہر نکالے اور اس کے بڑھتے ہوئے ذہنی صدمے کو کم کرے، اس کی زندگی کے حادثے میں اس کا معاون و مددگار بنے۔ اس کو دوبارہ صحت مند بنانے میں دلچسپی لے، مریض سے اپنی محبت کا اظہار کرے، اس کے ذہنی اور جسمانی دکھ کو ہر ممکن سکھ میں بدلنے کی کاوش کرے۔

اسی کردار کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بیمار شخص کی عیادت کو کارِ ثواب ٹھہرایا ہے اور ایک مریض شخص کی عیادت کو اپنی سنتِ مطہرہ بنایا ہے اور ہر مسلمان کو تاکید کی ہے کہ جب تمھارا کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کو جاؤ اور اس کے لیے کلماتِ خیر کہو اور اس کی عیادت کلماتِ تسلی اور الفاظِ اطمینان کے ساتھ کرو۔ اس لیے کہ تمھارے یہ کلمات اس کی بیماری میں اس کے لیے ایک حوصلہ اور ایک قوت و طاقت ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ، فَنَفِّسُوا لَهُ فِي الْأَجَلِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، وَهُوَ يَطِيبُ بِنَفْسِ الْمَرِيضِ۔

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی اجل کو مہلت دو (یعنی اس کو امید دلاؤ) کیونکہ ایسا کرنے سے اس کو نفسیاتی حوصلہ ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، الرقم: ۱۴۳۸)

رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی مریض کی عیادت کرتے تو آپ کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ مریض کو سلام کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کے حالاتِ مرض پوچھتے اور اس سے اس کے مرض کی علامات سنتے، پھر کلماتِ تسلی اور کلماتِ اطمینان ارشاد فرماتے کہ طھور ان شاء اللہ، اللہ نے چاہا تو تمھیں جلد صحت یابی دے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔

آپ ﷺ کے ان کلماتِ مبارکہ سے مریض پر نفسیاتی اثر یہ ہوتا کہ اس سے مریض کی تنہائی دور ہو جاتی اور مرض کا بوجھ کم ہو جاتا، اپنی ذہنی کیفیت اور اپنی جسمانی اذیت کے اظہار سے اسے اطمینان قلب ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طهور ان شاء الله، اس کی بیماری میں مدافعتی جذبہ بن جاتے۔ یوں وہ مریض اپنے اندر اپنی صحت کی ایک نئی چمک اور امید محسوس کرتا۔

صبر اور دعا کے ذریعے مدد

انسانی زندگی میں آنے والے خوف، گھبراہٹ، ڈر اور غم کا سبب کبھی کوئی بیماری ہوتی ہے، کبھی کوئی سماجی تنازع و جھگڑا ہوتا ہے، کبھی کوئی فساد و فتنہ ہوتا ہے، کبھی کوئی خاندانی مسئلہ ہوتا ہے۔ ان میں سے جو سبب بھی ہو، انسان پر پریشانی و گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ اس خوف، خطر اور گھبراہٹ کا علاج قرآن مجید نے صبر کی صورت میں کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۵۵،۱۵۶)

”اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے غم و مصیبت اور خوف و حزن کو دور کرنے کے لیے نماز اور صبر سے مدد لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (البقرہ، ۲: ۴۵)

”اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو۔“

علاوہ ازیں اس قسم کے لاحق خوف و خطرہ میں اسوۂ رسول اہل ایمان کو راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ غزوہ احزاب و خندق میں دشمن نے مدینہ منورہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا، دشمن کی فوج کے کچھ لوگ خندق پھلانگ کر اندر بھی آگئے، اس وقت لشکرِ اسلام کو، افراد راشن اور اسلحہ کی شدید کمی کا سامنا تھا اور دشمن کی طاقت اور قوت کے مسلسل دباؤ نے ایک دہشت اور خوف کا ماحول بھی طاری کر دیا تھا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ گھبراہٹ کی اس کیفیت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب لوگ گھبرائے ہوئے ہیں، دہشت کا یہ عالم ہے کہ دل سینوں سے اچھل کر باہر آنے کو ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سب مجاہدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دعا مسلسل اور بار بار پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا:

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات: ۲۴۵۵)

’’اے اللہ ہماری کمزوریوں کو چھپالے اور دشمن کے حملے سے ہمیں محفوظ فرما۔‘‘

اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا، مجاہدینِ اسلام کا حوصلہ بہت زیادہ بڑھ گیا اور ان کو دشمن کے مقابلے میں استقامت اور ثابت قدمی کی دولت میسر آئی۔ نتیجتاً دشمن بھاگ گیا۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے کو بڑھاتے ہوئے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ عنقریب تم روم اور ایران کو فتح کرو گے۔

ایمان باللہ اور عملِ صالح میں رسوخ خوف و غم سے نجات کا باعث

قرآن مجید نے انسان کو خوف و دہشت سے بچانے کے لیے مختلف احکامات دیئے ہیں، جن کی پیروی سے انسان خوف و غم سے نجات پالیتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو رب سے واصل کرتا ہے۔ رب سے تعلق میں استحکام اور اس پر استقامت انسان کو ہر خوف و دہشت اور خطرے سے محفوظ کر دیتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اہلِ ایمان کی یہ خوبی بتائی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (الاحقاف، ۴۶: ۱۳)

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

انسانی زندگی میں خوف اور حزن ایک بہت بڑی حقیقت ہے، کسی بھی شخص کی زندگی سے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ ہر شخص اپنی اپنی سطح پر خوف اور حزن کا شکار ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں کیفیاتِ

خوف اور احساساتِ حزن سے ہر کسی کو گزرنا پڑتا ہے مگر کچھ لوگ اللہ سے اتنے واصل اور اس کے اتنے مقرب ہوتے ہیں کہ وہ تقویٰ کو اپنا زیورِ حیات بنالیتے ہیں، اللہ کی فرمانبرداری کو اپنی بندگی کی علامت بنالیتے ہیں اور اللہ کی رضا و خوشنودی کو اپنی زندگی کا حاصل بنالیتے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کو باری تعالیٰ لاخوف علیھم اور ولا ھم یحزنون کی خوشخبری ان کلمات کے ساتھ دیتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔“ (یونس، ۱۰: ۶۲)

اسلام نے خوف، دہشت اور خطرے کا علاج ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عملِ صالح میں رکھا ہے۔ اس حقیقت کا اعلان قرآن یوں کرتا ہے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (المائدۃ، ۵: ۶۹)

”جو بھی (سچے دل سے تعلیماتِ محمدی کے مطابق) اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔“

اللہ کی ذات پر ایمان، آخرت پر ایمان اور عملِ صالح کا دوام انسان کے لیے ایک قوی خیال بن جاتا ہے، جو اس کو خوف اور حزن میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے کہ پریشانی حالات سے نہیں بلکہ خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں رہنا چاہیے۔ ان خیالات کا حامل شخص کبھی بھی ڈپریشن میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اسی طرح باری تعالیٰ نے انسانی زندگی میں ڈپریشن، خوف، گھبراہٹ، خطرات اور خدشات سے بچنے کا یہ ضابطہ بھی دیا ہے کہ اپنے ایمان کو مضبوط رکھو، عملِ صالح کو ہر دم اپناؤ، نماز کو اپنی پختہ عادت بناؤ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے عمل کو لازمی اختیار کرو۔ یہ سارے اعمال تمھارے لیے اجر کا باعث ہوں گے اور رب کی بارگاہ سے تمھیں انعام یافتہ لوگوں میں شامل کردیں گے جن کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر خوف اور ہر حزن سے محفوظ کرلیے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۲۷۷)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر (آخرت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔“

انسانی زندگی اللہ کی بندگی کے بغیر بے کار ہے اور جو اس روشِ بندگی سے ہٹتا ہے، وہ زندگی میں کبھی چین و سکون نہیں پاسکتا۔ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری انسانی حیات میں امید لاتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

”جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (البقرہ، ۲: ۳۸)

گویا ہدایت کی پیروی انسان کو خوف اور غم سے نجات دلانے کا باعث ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں چالیس سے زائد مقامات پر انسان کو خوف و غم اور حزن و ملال سے محفوظ ہونے کی بشارت دی ہے لیکن اس بشارت کے استحقاق کی شرطِ ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح کو قرار دیا ہے۔

توکل علی اللہ

خوف اور دہشت سے انسان کو پہنچنے والے ممکنہ خطرہ سے بچانے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب ظاہری اسباب ناکافی ہو جائیں اور تمام امدادی ذرائع ناکام ہو جائیں تو پھر اللہ کی مدد نازل ہو کر اپنے بندوں کو سنبھالتی ہے۔ ان حالاتِ خوف و دہشت میں بندے کی اتنی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دل سے اللہ پر توکل اور بھروسے کو کمزور نہ پڑنے دے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے بعد طرح طرح کے خیالات کے پیشِ نظر اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کناں ہوتے ہیں:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ۔ (یوسف، ۱۲: ۸۶)

”انہوں نے فرمایا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اللہ کے حضور کرتا ہوں۔“

پریشانی، غم، خوف و حزن انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ کسی انسان کو اس سے مفر نہیں ہے اور کوئی انسان اس سے ماوراء نہیں ہے۔ جب یہ خوف و غم اور حزن و ملال انسانی زندگی میں آتا ہے، تو یہ انسان کو اپنے مولا کے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا ہے، یہ انسان کو اللہ کی معرفت و قربت اور اس کی عبادت و ریاضت اور اس کی رضا و خوشنودی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ یہ نعمتوں میں کمی نہیں کرتا بلکہ یہ نعمتوں میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ یہ غم و خوف جب رخصت ہوتا ہے تو انسان کو بے پناہ خوشی و مسرت کی کیفیات عطا کرتا ہے اور یہ حالت انسان کو اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالانے کی دعوت دیتی ہے اور پھر انسان یوں اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوتا ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ۔ (فاطر، ۳۵: ۳۴)

”اور وہ کہیں گے اللہ کا شکر و حمد ہے جس نے ہم سے کلِ غم دُور فرما دیا، بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا، بڑا شکر قبول فرمانے والا ہے۔“

معلوم ہوا کہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کو مصیبت و آفت، خوف و دہشت، خدشات و خطرات میں تنہا نہیں چھوڑتا۔ بندہ مصیبت میں جب بھی اسے پکارتا ہے، وہ اس کی دستگیری اور مدد کرتا ہے۔۔۔ وہ بندے کی فریاد کو اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کی نوید کے ساتھ سنتا ہے۔۔۔ وہ ہر آڑے وقت اور مصیبت میں اپنے بندے کی مدد کو آتا ہے۔۔۔ اور اس کو اپنی رحمت اور نصرت سے سہارا دیتا ہے۔۔۔ اور وہ ہر مصیبت کو اس سے رفع کرتا ہے۔ جدید علم نفسیات بندے کی اس حالت کا علاج تحلیلِ نفسی سے کرتی ہے جبکہ قرآنی علم بندے کی اس حالت کا علاج اللہ کی رحمت اور اس کی نصرت طلبی میں دیتا ہے اور بندے کو یہ مدد یقیناً ملتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مصیبت و آفت میں اس شہنشاہِ مطلق اور معبودِ حقیقی کو پکارتا ہے جو نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے مصداق بندے کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

خلاصۂ کلام

باری تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو انسانوں کے جملہ امراض اور جملہ مسائل کے حل کے لیے قیامت تک بحیثیت ایک رہبر و ھادی بنا کر بھیجا ہے۔ انسانوں کے دماغی و نفسیاتی مسئلے ہوں یا سیاسی و معاشی مسائل یا ان کے عائلی و خاندانی معاملات ہوں، غرضیکہ ہر ہر شعبہ حیات کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ہمیں صدق دل کے ساتھ ان کو اپنانا ہے اور اپنی زندگی کا ان کو لازمی حصہ بنانا ہے۔

بلاشبہ انسانی زندگی اپنے طبعی احوال میں کسی نہ کسی وجہ سے خوف و غم اور وحشت و پریشانی کا شکار رہتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی خوف اپنے مثبت پہلوؤں میں ایک انسان کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتا ہے۔۔۔ وہ اپنے اس خوف پر قابو پا کر زندگی کے جدوجہد کے نئے راستوں کو مزید منظم کر لیتا ہے۔۔۔ اپنے تخلیقی و تعمیری عمل کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔۔۔ اور اپنی ظاہری ناکامی کے عوامل کو اپنی عظیم کامیابی کا زینہ بنا لیتا ہے۔ خوف و خطرہ کی حالت میں جب انسان خود کو اللہ کی پناہ میں دے دیتا ہے اور افوض امری الی اللہ کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیتا ہے تو باری تعالیٰ اس کی دستگیری اور مدد کرتا ہے۔ پھر وہ سوائے اللہ کے کسی بھی چیز سے نہیں ڈرتا۔ وہ صاحبِ تقویٰ ہو کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ۔ (آل عمران، ۳: ۱۷۵) کے مصداق ہر ایک کے ڈر اور خوف سے بے نیاز ہو کر صرف خوفِ خدا کا پیکر بن جاتا ہے۔ اس طرح خوف و آزمائش بھی اہلِ ایمان کے لیے انعاماتِ الٰہیہ کا باعث بنتے ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی، چیلنجز اور اقدامات

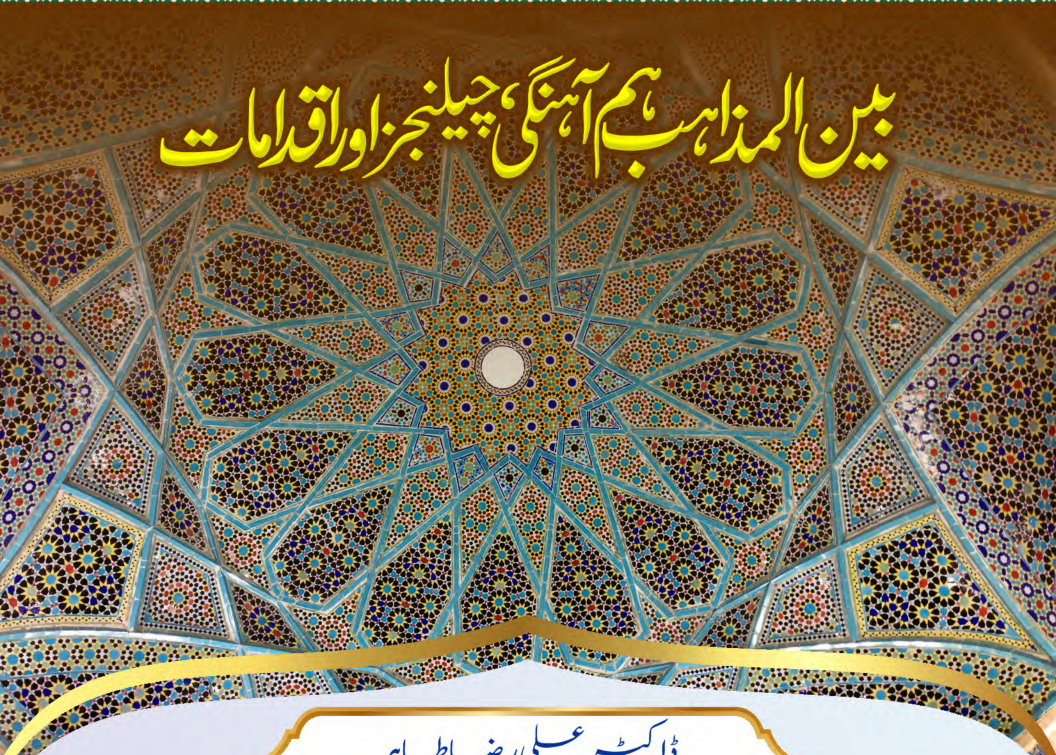

ڈاکٹر علی رضا طاہر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، سکول آف فلاسفی اینڈ ریلیجیس سٹڈیز، منہاج یونیورسٹی لاہور

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، جمالیات اور اخلاقیات جیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہ انسان کی انفرادیت ہے کہ اس کی تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی ان تین بنیادی خصوصیات کا ایک متوازن امتزاج رکھتا ہے۔ یہ بنیادی اور اساسی صلاحیتیں صرف امن میں پروان چڑھتی اور نشوونما پاتی ہیں۔ محبت امن کا دروازہ ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کا راستہ چننے کا حق حاصل ہے۔ کسی بھی فرد کا کوئی بھی مذہب ہو سکتا ہے مگر کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کو کوئی اور مذہب کو اختیار کرنے، قبول کرنے یا مسترد کرنے پر مجبور کرے۔ جبر انسانی وقار اور آزادی کے خلاف ہے۔ تنوع کوئی برائی نہیں لیکن اس کا ذاتی مفادات کے لیے استعمال ایک قبیح عمل ہے۔

ہر عقلمند انسان ایک مخصوص نظریات، عقائد، تصورات، اصولوں اور ایمان کے مجموعے کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، جنہیں وہ اپنے مذہب سے اخذ کرتا ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں اور مختلف ادوار میں مختلف تاریخی، جغرافیائی، نسلی، ثقافتی اور فکری پس منظر رکھنے والے مذہبی رہنماؤں، مفکرین، دانشوروں اور فلاسفہ نے مذہب کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال مذہب کی وضاحت اپنی کتاب: The Reconstruction Of Religious Thought in Islam میں کہتے ہیں:

"Religion is not a departmental affair; it is neither mere thought, nor mere feeling, nor mere action; it is an expression of the whole man.

"مذہب کوئی محض رسمی معاملہ نہیں ہے۔ یہ نہ صرف ایک خیال ہے، نہ صرف ایک احساس، اور نہ صرف ایک عمل؛ بلکہ یہ مکمل انسان کا اظہار ہے۔"

پروفیسر وائٹ ہیڈ مذہب کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"A religion, on its doctrinal side, can thus be defined as a system of general truths which have the effect of transforming character when they are sincerely held and vividly apprehended".

(Religion in the Making. Cambridge University Press.)

"مذہب کو اس کے اعتقادی پہلو سے ایک ایسے عمومی سچائیوں کے نظام کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے جسے جب مخلصانہ طور پر اپنایا جائے اور گہرائی سے سمجھا جائے تو وہ کردار کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔"

ان دونوں تعریفات کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مذہب اصولوں، عقائد اور اقدار کا ایک ایسا مجموعہ ہے جسے ایک انسان اپنی پوری زندگی میں اپنی مرضی سے قبول کرتا اور نافذ کرتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ دیگر نظریات سے بہتر ہیں۔ مذہب انسان کے خیالات، احساسات اور اعمال میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور ان کو بدل دیتا ہے۔

ہر انسان اپنی عقل، تخلیقی صلاحیتوں اور اختراعی فہم و شعور کے اعتبار سے ایک منفرد ہستی ہے، اس لیے اختلافِ رائے ایک فطری امر ہے۔ کسی بھی نظریے، عقیدے، ایمان اور مذہب کی بقا اور وجود اس کی افادیت پر منحصر ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ۔ (الرعد، ۱۳: ۱۷)

"اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتا ہے، وہ زمین میں باقی رہتا ہے، اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔"

ہر مذہب کے بانی کے لیے اس کے مکتبِ فکر کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کی تنظیم، نظام سازی، تہذیب و تمدن اور سہولت کاری رہا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے، مذہب کے نام پر یا مذہب کی آڑ میں، مفاد

پرست عناصر کے ذاتی مفادات کے لیے بے شمار انسانوں کا قتل عام کیا جا چکا ہے۔ دیگر کئی مسائل کے علاوہ، آج انسانیت شدت پسندی کے شدید بحران کا شکار ہے۔

انتہا پسندی و دہشت گردی کی وجوہات اور چیلنجز

پاکستان کی بنیاد قرآن کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کے مثالی کردار پر ہے۔ پاکستان کے قیام کا حتمی مقصد اسلام کی تعلیماتِ امن و محبت اور بھلائی کو عملی شکل دینا اور انہیں حقیقت میں ڈھالنا تھا۔ مگر بدقسمتی سے، ہمارے معاشرے کے ایک طبقے نے اسلام کی اس روح اور پاکستان کے قیام کے مقصد کو فراموش کر دیا ہے، بین المسالک اور بین المذاہب تشدد نے اب تک تمام مکاتب فکر اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے ہزاروں بے گناہ افراد کی جان لے لی ہے۔ یہ افسوسناک صورتِ حال قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر چکی ہے اور معاشرتی ڈھانچے کو نقصان پہنچا چکی ہے۔ تاہم، قومی اور بین الاقوامی سازشوں کے باوجود شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور ان جیسے کچھ پرعزم افراد نے ان ناپاک عناصر کا جرأت مندی سے مقابلہ کیا اور ان کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔

پاکستان میں مذہبی اور فرقہ وارانہ عدم برداشت، تشدد، انتہا پسندی اور دہشت گردی کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ موجودہ تباہ کن حالات میں ان وجوہات اور چیلنجز کو سمجھے بغیر ان کا حل تلاش کرنا ناممکن ہے:

(ا) بیرونی طاقتوں کی مداخلت

پاکستان کے قیام کے بعد استعماری قوتوں نے نومولود ریاست کو آزاد نہیں چھوڑا۔ پاکستان کی اسٹریٹجک اہمیت کی وجہ سے کئی بین الاقوامی استحصالی طاقتیں پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے لگیں، تاکہ اسے عدم استحکام کا شکار کیا جا سکے اور اس کی خودمختاری کو خطرے میں ڈالا جا سکے۔ پاکستان ایک کثیر الثقافتی اور کثیر المذاہب ملک ہے۔ کئی ممالک نے بھی اپنے مفادات کے لیے یہاں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں پاکستان پراکسی جنگوں کا مرکز بن گیا۔ اس کے نتیجے میں ہمیں ہر سطح پر تقسیم، اختلاف، تصادم اور تضاد نظر آتا ہے۔ صورتحال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اب تقسیم در تقسیم، فرقے در فرقے اور گروہ در گروہ کی شکل میں مزید تقسیم پیدا ہو رہی ہے۔ سیاست سے لے کر معیشت، مذہب سے ثقافت، فرد سے معاشرہ اور سرکاری اداروں سے نجی تنظیموں تک، ہر چیز بیرونی طاقتوں کے استحصال کی زد میں آ چکی ہے۔

(۲) ناخواندگی اور جہالت

علم ہی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں خواندگی کی شرح 60% یا اس سے بھی کم ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں، جہاں غربت اپنے عروج پر ہے، یہ شرح نہایت تشویشناک ہے۔ ایک ناخواندہ ہجوم کو مذہب اور عقیدے کے نام پر گمراہ کرنا سب سے آسان ہوتا ہے۔

ناخواندگی یقیناً ایک بڑا مسئلہ ہے، لیکن دورِ حاضر کے مسائل اور معاملات سے لاعلمی ایک اور سنگین تباہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ دونوں طبقات اصل مسائل سے بے خبر ہیں اور غیر ضروری معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔

ہمارے معاشرے کا یہ المیہ بھی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بغیر کسی تسلی بخش مذہبی علم کے مذہب پر بحث کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے مذہب بلکہ دیگر مذاہب کے بارے میں بھی کم علمی کا شکار ہوتے ہیں اور بے بنیاد اور غیر منطقی بیانات دیتے ہیں۔

(۳) نفرت انگیز مواد کی تشہیر

یہ بھی ایک بدقسمتی ہے کہ پاکستان میں نشرواشاعت کے حوالے سے کوئی مؤثر نگرانی اور توازن کا نظام موجود نہیں۔ کوئی بھی فرد یا تنظیم بغیر کسی اجازت یا اعلان کے کسی بھی قسم کی کتاب، کتابچہ، پمفلٹ یا مضمون شائع کر سکتی ہے۔ اسی طرح مادر پدر آزاد سوشل میڈیا بھی بین المسالک و بین المذاہب دوریاں پیدا کرنے اور رواداری و برداشت کے ماحول کو پروان نہ چڑھنے دینے میں گھناؤنا کردار ادا کر رہا ہے۔ ریاست میں کوئی مؤثر اشاعتی و تشہیری پالیسی نہیں ہے اور نہ ہی معاشرے میں اس حوالے سے اخلاقیات کا شعور پایا جاتا ہے۔

(۴) کمزور سیاسی نظام اور نااہل سیاسی اشرافیہ

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد پاکستان سیاسی پیچیدگیوں میں الجھ گیا۔ ملک کو چلانے کے لیے کئی آئینی اور غیر آئینی تجربات کیے گئے، لیکن بدقسمتی سے کوئی بھی کامیاب ثابت نہ ہوا۔ نتیجتاً، آج ہم ایک کمزور ریاستی نظام اور ناقص سیاسی قیادت کا سامنا کر رہے ہیں، جو ریاستی عملداری کو یقینی بنانے میں ناکام ہے۔ اس افراتفری نے تمام امن دشمن سرگرمیوں، خصوصاً فرقہ وارانہ تصادم کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔

کمزور سیاسی نظام بدعنوانی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ قائدین کو ان کے پیروکار رول ماڈل کے طور پر دیکھتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ہماری قیادت، اوپر سے نیچے تک، زیادہ تر بدعنوانی میں ملوث ہے۔ چونکہ وہ اپنی کارکردگی سے انتخابات جیتنے کے قابل نہیں ہوتے، اس لیے وہ فرقہ وارانہ، نسلی اور لسانی گروہوں

کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، جو بعد میں انہیں اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کے تحفظ کے لیے بلیک میل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں، غیر ریاستی عناصر کا غیر آئینی کردار بھی تشویشناک ہے۔

(۵) کمزور معیشت، بھاری قرضے، غیر منظم آبادی

غربت تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ پاکستان کی معیشت کمزور ہے، جبکہ غیر منظم آبادی 25 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ عوام قرضوں اور سود کے ناقابل برداشت بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ بیشتر اشرافیہ بدعنوان ہے، برآمدات کی شرح کم جبکہ درآمدات کی مقدار زیادہ ہے۔ موجودہ معیشت کا زیادہ تر انحصار بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی ترسیلاتِ زر پر ہے لیکن ملک میں مقامی روزگار کے مواقع ناکافی ہیں اور بیرون ملک محنت کرنے والے پاکستانیوں کی مناسب دیکھ بھال نہیں کی جاتی۔ ایسے افسوسناک حالات میں، یہ ملک ہر طرح کے جرائم پیشہ افراد کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ بن چکا ہے۔

(٦) معاشرتی تقسیم اور سماجی انصاف کا فقدان

ہمارے معاشرے کی بدقسمتی ہے کہ ہم مختلف حوالوں سے تقسیم ہو چکے ہیں، جیسے کہ مذہب، فرقہ، زبان، نسل، اور رنگ۔ مذہبی مدارس اور جامعات کے نصاب اور تعلیمی طریقوں میں واضح فرق موجود ہے۔ تدریس کے مقاصد اور نتائج بھی مختلف ہیں۔ بدقسمتی سے، اندھی تقلید کرنے والے اپنے نظریات کو مقدس سمجھتے ہیں اور کسی بھی اختلافِ رائے کو گمراہی قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح ہمارا معاشرہ سماجی انصاف جیسی اقدار سے بھی محروم ہے۔ انصاف کسی بھی معاشرے کی بنیادی سماجی قدر ہے۔ ایک فرد اور معاشرے کی بقا کا انحصار سماجی عدل اور انصاف پر ہے۔ فلاحی ریاست کا تصور بھی اسی سے جنم لیتا ہے۔ مختلف حوالوں سے معاشرتی تقسیم اور انصاف کی عدم موجودگی یا کمی سے منفی سوچ پیدا ہوتی ہے، جو انتہا پسندی، بنیاد پرستی، اور دہشت گردی کو فروغ دیتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں ایک واضح تقسیم موجود ہے اور انصاف کا فقدان پایا جاتا ہے۔ یہ تمام امور مایوسی، انتہا پسندی، اور تشدد کو جنم دے رہے ہیں۔

انسدادِ انتہا پسندی و دہشت گردی کے لیے اقدامات

پاکستان ایک کثیر المذاہب اور کثیر الثقافتی ملک ہے۔ تمام مذکورہ چیلنجز اور رکاوٹوں کے باوجود، ہمیں پاکستان میں بین المسالک اور المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے حوالے سے پر امید رہنا چاہیے۔ پاکستانی عوام مخلص، دیانت دار، اور محب وطن ہیں۔ ان میں محبت، امن اور ہم آہنگی کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے اپنے مسالک، مذاہب اور ثقافتوں کے مطابق ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگر ہم اپنی

مذہبی اور معاشرتی اقدار کو مضبوط کریں، تعلیمی نظام کو بہتر بنائیں، سماجی انصاف کو یقینی بنائیں، اور مذہبی رواداری کو فروغ دیں، تو پاکستان ایک پر امن اور ترقی یافتہ ملک بن سکتا ہے۔

اس لیے کہ مسلمان کے لیے یہ نہ صرف ایک اخلاقی بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے۔ دینِ اسلام ہر انسان کے لیے انتہائی احترام، عزت، دیانت اور مساوی حقوق کا درس دیتا ہے۔ قرآنِ پاک کی بے شمار آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دہشت گردی کے خلاف اپنے مبسوط فتویٰ میں لکھتے ہیں:

”حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت نہ صرف انسانوں بلکہ تمام مخلوقات پر محیط ہے، جیسے کہ رشتہ دار، ہمسائے، یتیم، بے سہارا، قیدی، بچے، بوڑھے، خواتین، غلام، بیمار، حتیٰ کہ دشمن، فطرت، درخت، کھیت، پانی، ہوا، اور دیگر تمام مخلوقات۔ تو پھر اس رحمت والے نبی ﷺ کے پیروکار کیسے بے رحم یا دہشت گرد ہو سکتے ہیں؟“

آپ ﷺ کے ماننے والوں کی پہلی اور نمایاں خصوصیات محبت، امن، بھلائی، رحمت اور احترام پر مبنی ہونی چاہئیں، ظلم و بربریت پر نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے دیگر مذاہب کے افراد کے ساتھ حسن سلوک اور بین المذاہب ہم آہنگی کی کئی مثالیں قائم کیں۔ آپ ﷺ نے نہ صرف دوسرے مذاہب کے افراد سے تعلقات استوار کیے بلکہ بعض اوقات مسجد نبوی میں دیگر مذاہب کے مذہبی رہنماؤں کو بھی خوش آمدید کہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سچا مسلمان کسی بھی طرح ظالم، دہشت گرد یا بے رحم نہیں ہو سکتا۔

میثاقِ مدینہ اس بین المذاہب ہم آہنگی کی بہترین مثال ہے۔ قرآن و حدیث اور سیرت النبی ﷺ کی تعلیمات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسلام نہ صرف امن، محبت اور ہم آہنگی کا دین ہے بلکہ تمام انسانیت کے لیے خیر و برکت اور فلاح و بہبود کی راہ دکھاتا ہے۔ ایک سچا مسلمان دہشت گرد نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ دوسروں کے لیے باعثِ رحمت اور امن کا پیامبر ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مسلمان بدستور طاقتور ہوتے گئے یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد تو پورے عرب پر مسلمان ریاست کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت مسلمان طاقت میں تھے اور ایک مضبوط ریاست کے مالک تھے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے تمام غیر مسلم شہریوں کے انسانی، مذہبی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو تسلیم کیا اور انہیں پہلی مسلم ریاست میں مساوی شہری حیثیت عطا کی۔ نبی اکرم ﷺ نے جبل سینا کے راہبوں، نجران کے عیسائیوں، فارس کے عیسائیوں، آرمینیائی عیسائیوں، مقنا کے یہودیوں، یمن کے یہودیوں، زرتشتیوں، مصر کے قبطی عیسائیوں، شامی آرتھوڈوکس عیسائیوں،

سامریوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ معاہدے کیے۔ یہ تمام معاہدے ہر انسان کے حقوق کو بغیر کسی تعصب کے تسلیم کرنے کی بہترین مثالیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت ہر مسلمان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد، آپ ﷺ کے سچے پیروکاروں نے ہر دور اور ہر شعبۂ زندگی میں آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔ آج کے دور میں اس کی ایک جاندار اور خوبصورت مثال شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اُن کی قائم کردہ تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نہ صرف پاکستان بلکہ عالمی سطح پر بھی بین المذاہب ہم آہنگی و رواداری کے لیے تحریری، تقریری اور عملی طور پر سرگرمِ عمل ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے سفارشات

آج دنیا کی تقریباً 8 ارب آبادی جوہری ہتھیاروں کے ڈھیر پر بیٹھی ہے۔ انسانی نسل کو مختلف بنیادوں پر کئی حصوں میں تقسیم کیا جاچکا ہے، جن میں مذہب ایک انتہائی مؤثر عنصر ہے۔ لہٰذا، اس مسئلے کے پس منظر، وجوہات، رکاوٹوں، اور چیلنجز کو گہرائی سے سمجھنے کے بعد درج ذیل تجاویز پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ بین المذاہب اور بین الادیان ہم آہنگی کے مقصد کو حاصل کیا جاسکے۔

ا۔ علمی اور تعلیمی تحریک: بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کی تحریک کی آگاہی ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ اس لیے ہمیں تعلیمی اداروں سے شروع کرنا چاہیے۔ دانشور اور تعلیمی شعبہ معاشرے کا ذہن ہوتے ہیں اور وہ استاد، مصنف، مقرر، تجزیہ کار اور مشیر کے طور پر عوام میں شعور اجاگر کر سکتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں لیکچرز اور سیمینارز کا انعقاد کیا جائے تاکہ شعور اور آگاہی پیدا کی جا سکے۔

۲۔ مذہبی حلقوں کا کردار: اکثر مذہبی رہنماؤں کے پیروکار ان پر اندھا اعتماد رکھتے ہیں، اس لیے ہمیں مذہبی حلقوں تک رسائی حاصل کرنی چاہیے۔ مذہبی رہنما اپنے پیروکاروں کی ذہنی تربیت کے ذریعے بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ مصنوعی اختلافات ختم کرنے کے لیے مذہبی رہنماؤں کو ایک دوسرے کی مذہبی تقریبات، اجتماعات اور سرگرمیوں میں شرکت کرنی چاہیے۔

۳۔ مکالمہ، نہ کہ مناظرہ: ہمیں سکھانے کے بجائے سیکھنے کی ثقافت کو فروغ دینا ہوگا۔ خیالات کا تبادلہ عزت، شائستگی اور نیک نیتی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ کبھی بھی اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہ کریں۔ مذاہب کا موازنہ کرنے سے گریز کریں اور ہمیشہ دوسرے مذاہب کی مقدس ہستیوں، بانیوں اور مذہبی کتب کا احترام کریں۔ مکالمہ سیکھنے کے لیے ہو، نہ کہ دوسروں کو قائل کرنے کے لیے۔

۴۔ سماجی روابط میں اضافہ: معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ کھلے ذہن اور کھلے دل کے ساتھ سماجی و ثقافتی روابط، تعلقات اور دوستی کو فروغ دینا چاہیے۔ اس سے غلط فہمیاں دور ہوں گی اور باہمی تعلقات مضبوط ہوں گے۔

۵۔ ریاست کی ذمہ داری: ریاست کو اس معاملے میں کلیدی کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ امن کے بغیر استحکام ممکن نہیں۔ ریاستی سطح پر اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں "بین المذاہب ہم آہنگی" کے نام سے ایک مضمون متعارف کرایا جائے۔ کالج اور یونیورسٹی سطح پر آزاد شعبے (Departments) قائم کیے جائیں۔ اس ڈگری کو ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) سے تسلیم شدہ بنایا جائے۔ اس مضمون اور نظریے کو فروغ دینے کے لیے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خصوصی نشستیں مختص کی جائیں۔ ریاست کو ان تمام سرگرمیوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

الحمدللہ اس حوالے سے منہاج یونیورسٹی میں باقاعدہ ایک شعبہ قائم ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ اور دیگر ادیان کی حقیقی تعلیمات کو جاننے کے لیے ان ہی ادیان سے تعلق رکھنے والے سکالرز خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

۶۔ میڈیا کی زندہ اور متحرک شمولیت: میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے، اس لیے اسے ایک مشن کے طور پر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو بین المذاہب ہم آہنگی کے موضوع پر مذاکرات اور مکالمے کا انعقاد کرنا چاہیے۔ ان پروگرامز میں تمام مذاہب کے نمائندوں کو برابر موقع دیا جائے۔ معروف کالم نگاروں کو قومی و بین الاقوامی سطح پر اس موضوع پر مضامین لکھنے کی ترغیب دی جائے۔

ان تمام سفارشات پر عمل درآمد سے دنیا میں امن، رواداری، اور بھائی چارہ فروغ پائے گا، اور بین المذاہب ہم آہنگی کا خواب حقیقت بن سکے گا۔ ہر سچے، مخلص، دیانتدار، اور بااعتماد فرد کی یہ انسانی اور مذہبی ذمہ داری ہے، خواہ وہ مذہبی رہنما، اسکالر، دانشور، استاد، محقق، مصنف، مقرر ہو اور مدارس، جامعات، ادارے، یا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے وابستہ ہو کہ وہ محبت، امن، اور ہم آہنگی کے فروغ کے لیے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنا کلیدی کردار ادا کرے۔ ہم سب کو نفرت کے خاتمے کے لیے متحد ہونا ہوگا اور ایک فلاحی ریاست کا خواب شرمندۂ تعبیر کرنا ہوگا۔

قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ مشعلِ ہدایت و روحانیت

یومِ وصال: ۲۳ ذوالقعدہ کی مناسبت سے خصوصی تحریر

جب دل تاریک ہو جائیں، روحیں زنگ آلود ہو جائیں، دلوں کی دھڑکنیں مادیت میں دفن ہو جائیں، دنیا کی چکا چوند روح کو اندھا کرنے لگے، الفاظ کھوکھلے ہو جائیں اور اعمال دکھاوے کا شکار ہو جائیں، تب اہلِ دل کی نگاہیں ایسے چراغوں کی تلاش میں رہتی ہیں جو ان کے باطن کو روشن کر دیں۔ اس صورتِ حال میں اہلِ باطن کا وجود روحانی پناہ گاہ بن کر اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ ایسی ہی ایک باوقار، متوازن اور پاکیزہ ہستی کا نام حضور پیر سیدنا طاہر علاء الدین القادری الگیلانی البغدادیؒ ہے، جنہیں بجا طور پر ''قدوۃ الاولیاء'' کہا جاتا ہے۔ حضور پیر سیدنا طاہر علاء الدین الگیلانی البغدادیؒ کی ذات بھی ایسا ہی نورانی چراغ تھی، جو شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت اور تصوف و سلوک کے حسین امتزاج کا مظہر تھی۔

قدوۃ الاولیاء کا شمار ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جن کا علم، کردار اور روحانیت ہمیشہ کے لیے امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ ہدایت ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا غوث الاعظمؓ سے ملتا ہے، جو آپ کی روحانی عظمت اور فقیری کی شان کو مزید نکھارتا ہے۔ آپ کا نسب 16 واسطوں سے سیدنا غوث الاعظمؓ اور 28 واسطوں سے حضور نبی اکرم ﷺ تک جا ملتا ہے، جو آپ کی روحانی نسبت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ صرف ایک نسبی تعلق نہیں بلکہ روحانی ذمہ داری کا بوجھ تھا، جو آپؒ نے پوری زندگی انتہائی حسن و خوبی سے نبھایا۔ اس حسب و نسب کی بلندی پر سیرت کی پاکیزگی، خلقِ عظیم اور روحانیت کی فراوانی گویا اس چشمۂ نور کی وسعتوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

برصغیر پاک و ہند کو یہ سعادت حاصل رہی ہے کہ یہاں حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق، آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت سیدنا عبدالرزاقؒ نے سب سے پہلے ہندوستان کا سفر کیا اور کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد بغداد شریف واپس تشریف لے گئے۔ ان کے بعد سے لے کر آج تک، اس خطے کے اہلِ دل، مشائخ، اولیاء، صلحاء، امراء اور عامۃ الناس بغداد کی جانب روحانی رہنمائی اور فیض کے حصول کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ ہر دور میں صاحبِ بصیرت افراد نے حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کی اولاد کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور خاندانِ گیلانیہ کے بزرگ وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہے۔ حضور پیر سیدنا طاہر علاءالدین الگیلانی البغدادیؒ کی پاکستان میں تشریف آوری اور سکونت بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی۔

آپؒ کا تعلق ایک ایسے جلیل القدر خاندان سے تھا جو مشائخ اور نقباء پر مشتمل تھا۔ اس خانوادے سے فیض کی روشنیاں عالمِ عرب سے نکل کر مشرقِ بعید، یورپ، افریقہ اور امریکہ تک پھیلیں۔ اس روحانی سلسلے کا اصل منبع اور سرچشمہ آپ کے جدِامجد، حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کی ذاتِ گرامی تھی، جہاں سے آج بھی دنیا بھر کے طالبانِ حق فیض حاصل کرتے ہیں اور قیامت تک اس مرکزِ انوار کی خیرات جاری رہے گی۔

قدوۃ الاولیاءؒ بغدادِ مقدس میں پیدا ہوئے اور اپنے بزرگوں کی روحانی تربیت میں پروان چڑھے۔ بعدازاں آپ کو براہِ راست اپنے والدِ گرامی حضرت شیخ محمود حسام الدین الگیلانیؒ سے خلافت و اجازت ملی۔ یہی وہ بابرکت ماحول تھا جہاں قلبی سکون، معرفتِ الٰہیہ، ذکر و فکر، اور خدمتِ خلق کے چراغ جلتے تھے۔ یہی وہ نور تھا جو بعد میں برصغیر پاک و ہند کے لاکھوں دلوں کی تاریکی مٹا گیا۔ تصوف کی تعلیم میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ سالک اپنے شیخِ کامل سے جڑ کر تربیت پائے، کیونکہ روحانی تربیت محض کتب بینی کا نام نہیں، بلکہ سلوک کے راستے پر مجاہدہ، مجاہدے میں اخلاص، اور اخلاص میں فنا ہونا لازمی امر ہے اور یہی روشنی آپ کو اپنے والد کی تربیت سے ملی۔

باطنی جلا اور ظاہری جاذبیت

حضور قدوۃ الاولیاءؒ کی مجلس میں بیٹھنا گویا اللہ کی یاد میں مستغرق ہونا تھا۔ آپؒ کی شخصیت میں جاذبیت، متانت، خاموشی میں گفتگو، اور نگاہوں میں ایک عجیب سا وقار ہوتا۔ نہایت کم گو، مگر جب لب کشا ہوتے تو گویا دلوں میں نور اُترتا۔ آپؒ کا اندازِ نشست، لباس، گفتگو، حتیٰ کہ خاموشی بھی

صوفیانہ تربیت کا آئینہ تھی۔ آپؒ کی مجالس میں بیٹھنے والے اس بات کے عینی شاہد ہیں کہ قدوۃ الاولیاءؒ کو دیکھ کر دل خود بخود ذکرِ الٰہی میں محو ہو جاتا تھا۔ بلا شبہ یہ ایک کامل ولی کی پہچان ہے اور اسی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے آقا علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں:

اذا رؤوا ذکر اللہ۔

جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔

حضور قدوۃ الاولیاءؒ کا ظاہری شرف تو خاندانِ گیلانیہ کی امتیازی حیثیت کی بدولت نمایاں تھا، لیکن جو چیز انہیں "قدوۃ الاولیاء" بناتی ہے، وہ ان کا حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات میں فنا ہونا ہے۔ یہی عمل آپؒ کو تصوف کے اعلیٰ مدارج پر فائز کرتا ہے۔ آپؒ کی شخصیت کی یہ روحانی بلندیاں ہی آپؒ کو ہر دور میں اللہ کے اولیاء میں ممتاز کرتی ہیں۔ آپ مریدین سے فرمایا کرتے:

"تم غوث الاعظمؓ کے مرید ہو گئے ہو، یہ معمولی بات نہیں، اب ہر لمحہ تمہیں اس نسبت کا حق ادا کرنا ہے۔"

یہ ایک ایسا نکتہ ہے جو تصوف میں "نسبتِ خاصہ" کہلاتا ہے اور جس کے ذریعے سالک اپنی ذات کی حدود سے نکل کر ذاتِ شیخ اور پھر ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہونے لگتا ہے۔ حضور پیر سیدنا طاہر علاءالدینؒ اس منزل پر پہنچ چکے تھے جہاں ان کی ہر سانس اطاعتِ الٰہی اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈھل چکی تھی۔ آپ کی پوری زندگی حضور ﷺ کی محبت اور عقیدت سے آراستہ تھی۔ آپ کا ہر قدم، ہر عمل اور ہر قول اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے راستے پر تھا۔

علم، حکمت اور بصیرت

علمِ شریعت کے ساتھ ساتھ آپ کو علمِ لدنی سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ جب کوئی علمی یا فقہی مسئلہ سامنے آتا تو آپؒ کا استحضار، توازن، اور فہم حیرت انگیز ہوتا۔ تصوف میں علم کو نور کہا گیا ہے، جو دل کو وسعت دیتا ہے اور عمل کو اخلاص بخشتا ہے۔ حضور پیر سیدنا طاہر علاءالدینؒ کی گفتگو میں یہی نور موجزن ہوتا، جو سامع کے دل میں اُتر جاتا۔ آپؒ کی شخصیت میں ایک خاص تاثیر تھی، جس سے ہر شخص متاثر ہوتا۔ آپ کی باتوں میں ایسی تاثیر تھی کہ آپؒ کے الفاظ سن کر لوگوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ کی مجالس میں لوگ نہ صرف روحانی فیض حاصل کرتے بلکہ ان کی زندگی کے حالات بھی بہتر ہو جاتے۔ اولیاء اللہ کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ ایسے لدنی اور وہبی علوم عطا

فرماتا ہے کہ ان کے سامنے علومِ ظاہری کے مجتہد اور فقیہانِ عصر تاب نہ لا سکتے۔

شانِ استغناء اور بے نیازی

اولیاء کی شان ہوتی ہے کہ وہ مخلوق سے بے نیاز ہو کر خالق سے جُڑ جاتے ہیں۔ حضور پیر صاحبؒ کی سیرت اس وصف کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ نہ حکومتوں سے توقع، نہ مالداروں سے حاجت بلکہ فقط اللہ اور اس کے محبوب ﷺ پر کامل توکل۔ تصوف کی تعلیم یہی ہے کہ جو اللہ کا ہو جائے، اللہ سب کچھ اس کا کر دیتا ہے۔ آپؒ کی زندگی کا یہ پہلو آج کے دور میں خاص طور پر قابلِ تقلید ہے۔

سلوک و طریقت کی روشنی

تصوف ایک عمل ہے، محض الفاظ نہیں۔ تصوف کا جوہر ''فنا'' ہے، یعنی نفس کی نفی، ارادے کی قربانی، اور خواہشات کا ضبط۔ قدوۃ الاولیاءؒ کی زندگی اس حقیقت کی روشن دلیل ہے۔ ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا:

''ام الوظائف تو یہ ہے کہ اعمال ریا سے خالی ہوں۔ خالق سے نظر ہٹ کر مخلوق پر جم جانا بلکہ مخلوق کا وجود تسلیم کرنا ہی ریا ہے اور یہی وہ شرک ہے جس کو رات کی تاریکیوں میں چیونٹیوں کے رینگنے سے زیادہ باریک اور نازک بتایا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہی ہے کہ اپنے آپ سے بھی بے نشان ہو جائے اور دوسروں سے بھی۔ ریا کے حملے بڑے باریک ہوتے ہیں۔ کبھی تواضع کے نام پر ریا شامل ہو جاتی ہے۔''

آپ کی تربیتی مجالس میں نفیِ نفس، تسلیم و رضا، ذکرِ قلبی اور تعلق مع اللہ پر خاص زور دیا جاتا۔ کئی افراد کی زندگی محض آپ کی کیمیانہ نگاہ سے بدل گئی اور یہی اہلِ تصوف کی اصل پہچان ہے۔ قدوۃ الاولیاءؒ کی روحانیت کا اصل مقصد اللہ کی رضا کی جستجو تھا۔ آپ کی تصوف و روحانیت کی تعلیمات میں ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا کہ ایک انسان کا تعلق اس کے رب سے مضبوط ہو اور اس تعلق کے نتیجے میں انسان کا قلب ہر قسم کے مادیت سے آزاد ہو جائے۔ آپ نے اپنے پیروکاروں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ صرف اللہ کے در پر سجدہ ریز رہیں اور تمام دنیاوی لذتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی رضا کی تلاش میں کھو جائیں۔ آپ فرماتے:

''روحانیت سے مراد لوگوں کی ایسی اخلاقی اور روحانی تربیت ہے جس سے ان کے دلوں میں صدق اور اخلاص پیدا ہو۔ خشیتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ پیدا ہو۔ تقویٰ پرہیزگاری اور ذوق پیدا ہو اور انھیں رذائل سے پاک کیا جا سکے۔ دلوں میں نفاق، حسد، بغض، عناد اور ریاکاری ہو تو پھر کوئی عمل بھی نیکی کا اجر نہیں پا سکتا۔

تصوف لوگوں کی دنیا سے الگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ بڑے بڑے عظیم صوفیاء نے مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر بھی دین اسلام کی خدمت کی اور میدان جہاد میں بھی دین اسلام کی خدمت کی۔ تصوف؛ شریعت کے ظاہر و باطن دونوں کو یکجا کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا صوفیائے کرام کی خدمت اور جدوجہد بھی ایسی ہونی چاہیے کہ وہ دین اور شریعت کے کسی ایک پہلو کی نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں کی بیک وقت تازگی کا سامان کرے چونکہ صوفیاء کا پیغام نہ صرف منافرت، فرقہ پروری اور تعصب و انتشار سے پاک ہوتا ہے بلکہ ان کا پیغام سراسر محبت اور شفقت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی کاوشیں عالمِ اسلام میں اتحاد کا باعث بن سکتی ہیں اگر یہ اپنا صحیح کردار انجام دیں تو ان کے ہاتھوں اسلام اور عالمِ اسلام کی وہ انقلابی خدمت ہو سکتی ہے جو کسی اور طبقے کے ہاتھوں ممکن نہیں۔''

آپ کا مذکورہ فرمان تصوف و روحانیت کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ ایک سالک کو اپنی روحانی ترقی کی کوشش کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بھی اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے، اسی صورت وہ اللہ کے نزدیک کامیاب ٹھہرتا ہے۔

شریعت و طریقت کا حسین امتزاج

حضور پیر سیدنا طاہر علاء الدینؒ نے کبھی شریعت کو طریقت سے جدا نہیں ہونے دیا۔ آپؒ کا پیغام ہمیشہ شریعت و طریقت کے حسین امتزاج پر مبنی تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

''شریعت کسی بھی حال میں کسی شخص سے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو، ساقط نہیں ہو سکتی اور اس کی تعمیل ہر حالت میں فرض ہے۔ پس حقیقت سے مراد باطنی اور حقیقی صفات کی تکمیل اور تزکیہ قلب اور مخالفتِ نفس ہے جو تصوف کا بنیادی منشا ہے۔ شریعتِ مجاہدہ ہے اور ہدایت و مشاہدہ اس کی حقیقت ہے جو بالفاظ دیگر ظاہر کی باطنی رہنمائی ہے۔ جب مجاہدہ نہ ہو گا تو مشاہدہ کہاں سے ملے گا۔ جب شریعت ترک کر دی جائے گی تو حقیقت کے وارد ہونے کے کیا معنی؟ لہٰذا شریعت اگر ایک دینی چیز ہے تو حقیقت سراسر دینی۔ جب حقیقت نے آخری دم تک شریعت کے احکام سے کسی حکم کو نظر انداز نہیں کیا تو صرف باطنی نماز اور روزہ کا سبق دینے والے اور شریعت پر عمل نہ کرنے والے پیر نہیں بلکہ ملحد، کافر، بے دین، عیش پرست، تن اور شہوت پرست ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کا گنہگار بنا رہے ہیں۔''

آپؒ کی نظر میں روحانیت صرف عبادات اور ذکر و اذکار تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ ایک عملی زندگی کا حصہ تھی جو ہر فرد کے کردار میں نظر آنی چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی روحانی تعلیمات

میں انفرادی عمل کے ساتھ ساتھ معاشرتی اصلاح کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ آپ کے معمولات میں فرائض و نوافل کی ادائیگی قرآن کی تلاوت اور اورادِ قادریہ کا باقاعدہ اہتمام شامل تھا۔ آپؒ کی زندگی گویا متوازن روحانیت کا مظہر تھی، جہاں نہ افراط نہ تفریط، بلکہ اعتدال اور حضورِ قلب کا کامل امتزاج تھا۔

سلسلۂ قادریہ کی سرپرستی

آپ نے سلسلہ قادریہ کی سرپرستی کا جو فریضہ سرانجام دیا، اس سے اس عظیم سلسلے کی ترقی و کامیابی میں مزید اضافہ ہوا۔ آپ کی رہنمائی سے ہزاروں افراد نے روحانیت کی منازل طے کیں اور اللہ کے قریب پہنچے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ یہ کوشش کی کہ عوام الناس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں محور رکھا جائے۔ اسی کی بدولت آپ کا فیض دنیا بھر میں پھیلتا گیا۔ آپ نے یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ سمیت دنیا کے کئی ممالک میں دورے کیے اور سلسلہ قادریہ کا روحانی پیغام عام فرمایا۔ لاکھوں مریدین نے بالمشافہ یا خط و کتابت کے ذریعے آپ سے روحانی رہنمائی حاصل کی۔ یہ عالمی دعوت تصوف کے اس اصول کی عکاس تھی کہ محبت کی حدود نہیں ہوتیں اور ولایت کی خوشبو سرحدیں نہیں مانتی۔

عصرِ حاضر میں تصوف کی تصویر

قدوۃ الاولیاءؒ کی سیرت آج کے دور میں ایک نمونہ ہے۔ وہ دور جہاں روحانیت دکھاوے کا شکار ہو چکی ہے اور طریقت محض ظاہری رسوم تک محدود ہو چکی ہے، اس دور میں آپؒ نے اپنے عمل سے تصوف کو زندہ کیا۔ آپؒ کا طریقہ سادہ، مگر دل میں اترنے والا تھا۔ نہ نعرے، نہ شور، نہ سیاسی خطاب بلکہ خاموشی میں تاثیر اور نگاہ میں وہ تاثیر کہ بندہ بدل جائے۔ آپ مریدین سے کہتے:

"بزرگ بننا ہو، قطب بننا ہو، غوث بننا ہو تو کہیں اور جاؤ اور انسان بننا ہو تو یہاں آؤ۔ پہلے آدمی بنو، کیا بزرگی ڈھونڈتے پھرتے ہو؟ آدمیت سیکھو، بزرگی تو ایک دن میں ساتھ ہو لیتی ہے، مشکل چیز تو شرافت اور شعور انسانیت ہے۔"

یہ پیغام آج بھی امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہماری نجات نہ جدید نعروں میں ہے، نہ محض معلومات میں بلکہ اتباعِ سنت، اخلاص، اور ذکرِ الٰہی میں ہے، جو قدوۃ الاولیاء حضور پیر صاحبؒ کی سیرت کا نچوڑ ہے۔ آج جب روحانیت نمائشی بنتی جارہی ہے، سیرتِ قدوۃ الاولیاءؒ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ تصوف محض مخصوص لباس یا الفاظ کا نام نہیں، بلکہ یہ دل کی زمین پر اخلاص، استغنا، علم، عمل اور فنا کی فصل اگانے کا نام ہے۔ تصوف سیکھنے کے لیے کتابیں ضروری ہیں، لیکن اولیاء کی صحبت اس سے کہیں زیادہ

اہم ہے اور اگر صحبت نہ ملے تو ان کی سیرت پڑھنا، ان کی تعلیمات کو اپنانا اور ان کے فیضان سے جُڑنا ضروری ہے۔ قدوۃ الاولیاءؒ کی زندگی ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ خاموش رہ کر بھی اللہ کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے، اگر دل نور سے بھرا ہو اور نگاہ اخلاص سے مالا مال ہو۔

حضور پیر سیدنا طاہر علاء الدین الگیلانیؒ کی زندگی ایک مشعلِ ہدایت و روحانیت ہے، جس نے لوگوں کو روحانیت کی راہوں پر چلنے کی ترغیب دی۔ آپؒ کی تعلیمات نے نہ صرف برصغیر میں بلکہ دنیا بھر میں لوگوں کے دلوں کو نور سے منور کیا۔ آپ کی زندگی کا پیغام یہ ہے کہ انسان اگر اللہ کے راستے پر ثابت قدم رہے، تو وہ روحانیت، علم اور معرفت کی اعلیٰ منازل پر فائز ہو جاتا ہے۔

تعلیمات

ذیل میں حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ کی تصنیف ''تذکرہ قادریہ'' میں مذکور خطبات و مواعظ میں سے چند تعلیمات درج کی جاتی ہیں:

(ا) مسلمان کے لیے لازمی امور

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے درج ذیل چیزوں کا ایک مسلمان میں ہونا لازم قرار دیا:

۱۔ احکام کی پابندی اور تعمیل کرنا

۲۔ ان چیزوں سے جن کے لئے اللہ تعالی منع فرماتا ہے، اجتناب کرنا

۳۔ قضا و قدر پہ راضی رہنا اور کبھی تقدیر کا شاکی نہ ہونا۔

ان تینوں خصوصیتوں سے کبھی خالی نہ رہنا اسلام کا پہلا درجہ ہے۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان کا پابند رہے اور ہمیشہ اپنے دل میں ان کا خیال رکھے اور ان پر کاربند رہے۔

(۲) اسباب کا ترک اور اختیار کرنا

بندہ چونکہ سبب سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے بغیر سبب کے وہ جی نہیں سکتا۔ عالم کو اسباب کی زنجیر میں جکڑا گیا ہے۔ اسی لیے اسباب سے ترکِ تعلق کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ بندے کی حقیقت کے منافی ہے۔ البتہ ہاں ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب کو بندہ اختیار کر سکتا ہے۔ اسباب کو ترک کر کے زندگی نہیں گزار سکتا۔ کم از کم سانس لینے سے تو کوئی نہیں بچ سکتا۔ یہ بھی تو سبب ہے۔ اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اسباب کی حیثیت گویا حجاب کی سی ہے۔ جس نے ان اسباب کو حجاب سمجھا، وہ ان ہی اسباب کی راہ سے حق تک پہنچا اور جس نے ان ہی اسباب کو تکیہ بنالیا، وہ محروم ہوا۔

(۳) اختلافِ سلاسل کی حقیقت

جس طرح جسمانی صحت حاصل کرنے کے لیے علاج کے مختلف طریقے طب یونانی، ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک وغیرہ ہیں کہ مقصد سب کا ایک اور طریقے مختلف ہیں۔ اسی طرح باطنی اخلاق واعمال کے علاج کے لیے طریقت کے یہ سلاسل ان کا مقصد بھی ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارے باطنی اخلاق، شریعت اور سنت کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ البتہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ چاروں سلاسل طریقت؛ نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ یہ سب اپنی اپنی جگہ مسلمہ اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر سلسلہ قادریہ کو اس لیے زیادہ بزرگی، عظمت اور شرف حاصل ہے کہ تمام اولیاء کے سردار حضور سیدنا غوث الاعظمؓ اسی سلسلہ سے ہوئے بلکہ آپ ہی کی وجہ سے اس سلسلے کو ''سلسلہٗ قادریہ'' کہا جاتا ہے۔

(۴) تعلق باللہ کی حقیقت

اے بندے! تو بہت کہتا ہے کہ اسے نزدیک کیا گیا ہے اور میں دور ہوں۔۔۔ اسے عطا کیا گیا اور میں محروم ہوں۔۔۔ وہ غنی ہے اور میں مفلس ہوں۔۔۔ وہ تندرست ہے اور میں بیمار ہوں۔۔۔ وہ

معزز ہے اور میں خوار ہوں۔۔۔ وہ راست باز مشہور ہے اور میں دروغ گو سمجھا جاتا ہوں۔اے شخص تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور وحدانیت ہی کو پسند کرتا ہے اور اس کو دوست جانتا ہے جو صرف اسی سے محبت رکھتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ تجھے کچھ عطا فرماتا ہے تو تیری محبت اللہ تعالیٰ کے لئے کم ہو جاتی ہے اور تیرے دل میں اس چیز یا شخص کی رغبت اور محبت بھی پیدا ہوتی ہے، جس کے ذریعے سے وہ نعمت اللہ تعالیٰ نے تجھے دی اور اس طرح تیرے اندر سے محبت الٰہی کم ہو جاتی ہے۔یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے،وہ شریک نہیں چاہتا، لہٰذا دوسروں کے ہاتھوں کو تیری امداد سے۔۔۔ان کی زبان کو تیری صفت و ثناء سے۔۔۔اور پیروں کو تیری طرف آنے سے روک دیتا ہے۔۔۔تاکہ تو اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر اس بندے کی محبت میں نہ پھنس جائے۔

پس اے شخص بے ادب نہ ہو اور اس کی جانب دیکھ جو تجھے دیکھ رہا ہے۔۔۔اس کی طرف متوجہ ہو جس کی تجھ پر توجہ ہے۔۔۔اس سے محبت کر جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔۔۔اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے جو تجھے گرنے سے بچالے۔۔۔ اس کا سہارا لے جو تجھے سنبھالے۔۔۔ جو تجھے جہالت کی تاریکی سے نکالے۔۔۔ تجھے نجات دے اور تجھے ہلاکت سے بچائے۔۔۔وہ تجھ سے تیری ناپاکیاں دور کرے گا اور تجھے گندگیوں سے صاف کرے گا۔۔۔وہ تیری پست ہمتی کو دور کرے گا اور وہ بد حکم دینے والے نفس اور براراستہ دکھانے والے دوستوں سے جو اخوان الشیاطین ہیں اور تیرے اور سعادتوں کے درمیان حجاب ہیں، ان سے تجھے بچائے گا۔

وصالِ مبارک

۲۳ ذوالقعدہ (بمطابق ۷ جون ۱۹۹۱ء) کی صبح قدوۃ الاولیاء حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی القادری البغدادیؒ کی صورت میں روشن آفتاب روحانیت اس فانی دنیا سے غروب ہو گیا مگر اپنے پیچھے ایسی روشنی چھوڑ گیا جو آج بھی قلوب کو منور کر رہی ہے۔ جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، لاہور میں موجود آپ کا مزار آج بھی تشنگانِ معرفت کے لیے مرجعِ خلائق ہے۔یہ ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں خاموشی میں بھی نصیحت ہے اور خاموش تربت سے بھی صدائیں آتی ہیں۔آپؒ کی تعلیمات اور روحانیت آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حضور قدوۃ الاولیاءؒ کی سیرت سے روشنی لینے اور اسے اپنی عملی زندگی میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حضرتِ فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ کے سالانہ عرس مبارک کی پُروقار تقریب

رپورٹ: علامہ حافظ عبدالقدیر قادری

16 شوال المکرم وہ مبارک و باسعادت دن ہے جس دن عالم اسلام اور تاریخ پاکستان کی ایک نابغہ روزگار شخصیت کا عرس منعقد کیا جاتا ہے جو کہ حکیم الامت ہیں جنھوں نے اس دور میں نہ صرف امت مسلمہ کے جملہ امراض کی تشخیص کی بلکہ اس کے علاج کے لیے ایک عظیم ہمہ جہت شخصیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مانگا اور پھر اسے اپنی زیر تربیت علم و حکمت، عشقِ الٰہی و عشقِ رسالت ﷺ، حق و صداقت، عبادت و ریاضت، فقرِ غوثیت اور اعلیٰ سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھال کر ایسا طبیب تیار کیا جو آج پوری دنیا کے کونے کونے میں امتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والے ہر بگاڑ کا علاج کر رہا ہے۔ یوں آپ محسن الملت بھی ہیں۔ جملہ کارہائے نمایاں سرانجام دینے پر آپ ایسی یکتائے روزگار شخصیت بنے کہ آج دنیا آپ کو فرید الملت کے لقب سے جانتی ہے۔ میری مراد فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ ہیں۔

اس سال 16 شوال المکرم بمطابق 15 اپریل 2025ء بروز منگل آپ کا 52 واں سالانہ عظیم الشان عرس مبارک بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔ زائرین کی آمد کا سلسلہ ایک روز قبل شروع ہو گیا تھا۔ کراچی، لاہور، گوجرانوالہ، مریدکے، فیصل آباد، سرگودھا، چنیوٹ، شورکوٹ،

بھکر اور دیگر کئی شہروں سے سیکڑوں محبین و متوسلین، کارکنان و قائدین و وابستگان تحریک منہاج القرآن نے خوبصورت چادریں اور پھول مزارِ اقدس پر پیش کیے۔

سب سے بڑا قافلہ محترم جواد حامد نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن واجتماعات کی قیادت میں مرکز لاہور سے جھنگ پہنچا جس میں مرکزی قائدین اور سٹاف ممبران کی ایک کثیر تعداد شامل تھی۔

عرس مبارک کی تقریبات کا آغاز بعد نماز فجر قرآن خوانی سے ہوا۔ بعد نماز ظہر غسل مزارِ اقدس ہوا۔ بعد از نمازِ عصر سجادہ نشین و متولی دربار فرید ملتؒ الحاج صاحبزادہ محمد صبغت اللہ قادری نے مرکزی قائدین وزائرین کے ہمراہ مزار شریف پر چادر چڑھائی اور پھولوں کی چادریں چڑھائیں گئیں۔

خصوصی تقریب محفل ذکر و نعت کا آغاز بعد نماز عشاء تلاوت کلام الٰہی سے قاری مبشر عباس سلطانی نے کیا اور جھنگ کے معروف نعت خواں آفتاب قمر قادری اور محمد ارسلان قادری نے خوبصورت انداز میں بارگاہِ سرور کونین ﷺ میں ہدیہ عقیدت و محبت پیش کیا۔ فخر القراء زینت القراء قاری نور احمد چشتی (لاہور) نے اپنے مخصوص دلآویز انداز میں آیات ربانی کا نور بکھیرا تو پورا مجمع اشکبار آنکھوں اور مسرور قلب و روح سے جھوم اٹھا۔ لاہور سے تشریف لائے ہوئے عالمی شہرت یافتہ نعت خوانان منہاج نعت کونسل شہزاد برادران، محمد شکیل طاہر اور حسان منہاج الحاج محمد افضل نوشاہی نے وجد آفریں انداز میں جب عشق حبیب کبریا ﷺ کی تاروں کو چھیڑا تو حاضرین پر عجب کیفیات طاری ہو گئیں۔

عرس مبارک کی تقریب سے محترم علامہ صاحبزادہ ظہیر احمد نقشبندی نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت میں علم و حکمت کا ایک خوبصورت امتزاج تھا۔ آپ نے علومِ دینیہ میں گہری مہارت حاصل کی اور اپنے اس علم کا استعمال امت کی فلاح کے

لیے کیا۔ آپ کا علمی سفر صرف کتابوں تک محدود نہیں تھا۔ آپ نے اپنی روحانی تربیت کے لیے مختلف بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے اپنے وقت کی عظیم علمی و روحانی شخصیات کی صحبت میں رہ کر علومِ باطنی اور علومِ دین، فقہ، تصوف اور دیگر اسلامی علوم میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ ان بزرگوں کی رہنمائی نے آپ کو صرف علمی لحاظ سے نہیں، بلکہ روحانی طور پر بھی بلند مقام عطا کیا۔ آپ نے اپنے اس روحانی سفر کی تکمیل میں، علم کے دریچوں کو کھولا اور اس علم سے نہ صرف اپنے آپ کو روشن کیا، بلکہ اپنے گرد و نواح کی دنیا کو بھی اس روشنی سے منور کیا۔ آپ کا علمی و روحانی سفر اس بات کا غماز ہے کہ علم کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک مسلسل تلاش ہے جو روح کی تکمیل تک جاری رہتی ہے۔

حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت میں سب سے نمایاں خصوصیت آپ کا عشقِ رسول ﷺ تھا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالا اور اپنے تمام افعال میں آپ ﷺ کی محبت اور اتباع کو اپنے لیے نصب العین بنایا۔ اسی عشق رسول ﷺ کے جذبہ نے آپ کی زندگی کو سنوارا اور آپ کے وجود کو نئے معنی بخشے۔ آپ کا قلبِ مبارک اُمتِ مسلمہ کی حالتِ زار کو محسوس کرتا تھا اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے آپ ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے۔ آپ کا دل امت کی فلاح اور عروج کی آرزو میں تڑپتا تھا۔ یہی وہ درد تھا جس نے آپ کو بے چین کر رکھا تھا اور جس کے غم میں آپ کا دل ہمیشہ بے قرار رہتا تھا۔ آپ کا یہ درد، عشقِ رسول ﷺ کا عکاس تھا۔ آپ کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ آپ نے اس درد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب کی غنا کے ساتھ ساتھ درد و دلسوزی کی بے مثال دولت سے بھی نوازا تھا۔ وہ درد کون سا تھا جس نے آپ کی سکون و اطمینان کی کیفیت کو درہم برہم کر دیا تھا۔۔۔؟ وہ غم کس بات کا تھا جس نے آپ کے باطنی سکون کو تہہ و بالا کر رکھا تھا۔۔۔؟ یہ درد دراصل امتِ مسلمہ کی محرومیت اور ذلت اور پستی کا درد تھا۔ آپ کو امت کی کم ہمتی کا دکھ تھا، جو آپ کے دل میں ایک گہرا سانحہ بن کر مسلسل غم و اندوہ کی صورت میں ڈھل رہا تھا۔ رسالت مآب ﷺ سے آپ کا بے پایاں عشق کا تقاضا تھا کہ آپ امتِ محمدیہ ﷺ کے دکھوں کو اپنے دل میں محسوس کریں اور ان کی حالتِ زار کا مداوا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں وقف کریں۔ چنانچہ آپ کی زبان ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتی، مگر آپ کا دل امت کی عظمتِ رفتہ اور سربلندی کی بازیابی کے لیے بے چین و مضطرب تھا۔

عشقِ رسالت مآب ﷺ اور نسبتِ مصطفوی کا جو اعجاز تھا، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت فریدِ ملتؒ کو بے شمار اخلاقی اوصافِ جمیلہ سے مزین کیا۔ صدق و اخلاص، تسلیم و رضا، فقر و قناعت، زہد و ورع، صبر و استقامت اور عبادت و ریاضت میں آپ سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے۔ آپ کی سیرت ایک ایسی زندہ کتاب تھی جس میں اعلیٰ ترین اخلاقی خصوصیات جھلکتی نظر آتی۔

☆ اس عرس مبارک کے موقع پر ایک اہم تقریب منہاج انسٹیٹیوٹ آف قرأت اینڈ تحفیظ القرآن دار العلوم فریدیہ قادریہ جھنگ صدر سے حفظ القرآن مکمل کرنے والے حفاظ و حافظات میں تقسیم اسناد حفظ القرآن تھی۔ یہ تقریب بہت ہی خوبصورت اور پر وقار تھی۔ جس میں حفاظ سفید لباس دستار فضیلت اور حافظات بلیک گاؤن اور مخصوص منہاجی سکارف میں ملبوس سٹیج پر تشریف لائے اور ڈائریکٹر دار العلوم و متولی دار العلوم اور مرکزی قائدین سے اپنی اپنی اسناد وصول کیں۔

اس تقریب کو اس وقت چار چاند لگ گئے جب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دوران سفر ویڈیو کال کے ذریعے تمام قائدین، مہمانانِ گرامی اور جملہ حاضرین کو سلام دیا اور خوش آمدید کہا۔ بالخصوص اسناد حاصل کرنے والے حفاظ و حافظات اور ان کے والدین کو یہ سعادت ملنے پر خصوصی مبارکباد اور اپنے دعائیہ کلمات سے نوازا۔ شیخ الاسلام نے الحاج محمد صبغت اللہ قادری متولی دربار حضرت فریدِ ملت، ان کے صاحبزادے محمد طاہر قادری اور علامہ عبدالقدیر قادری ڈائریکٹر دار العلوم، اساتذہ کرام اور جملہ منتظمین کی کاوشوں کو سراہا جن کی شبانہ روز محنت و لگن سے یہ سعادتیں نصیب ہوئیں اور اسے فرید ملت کا خصوصی فیضان قرار دیا مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا۔

قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء

رپورٹ: ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی

منہاج یونیورسٹی لاہور میں حسان بن ثابت سینٹر فار ریسرچ اِن نعت لٹریچر اور نعت فورم انٹرنیشنل کے اشتراک سے 13 اپریل 2025ء بروز اتوار چوتھی قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں اردو ادب اور نعتیہ تحقیق کے نامور محققین، شعرا اور دانشور شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا کلیدی موضوع "اکیسویں صدی میں نعتیہ ادب کے تخلیقی و تحقیقی رجحانات" تھا۔ جس کے تحت؛ موجودہ دور میں نعتیہ ادب کا منظر نامہ، نعت گوئی میں عصری اسلوب اور فنی تکنیک، نعتیہ شاعری کے فکری، روحانی اور ادبی پہلو اور نعتیہ تحقیق و تنقید میں بدلتے ہوئے رجحانات کو زیرِ بحث لایا گیا۔ ڈائریکٹر ریسرچ سنٹر ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ صاحبزادہ تسلیم احمد صابری نے نقابت کے فرائض سرانجام دیے۔

☆ وائس چانسلر منہاج یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد نے ملک بھر سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمانوں، شعراء، محققین، اساتذہ اور طلبہ و طالبات کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ منہاج یونیورسٹی لاہور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی قیادت میں نعتیہ تحقیق و تنقید کا ایک مضبوط مرکز بن چکی ہے، جہاں ادبِ نعت کے فروغ کے لیے باقاعدہ ڈیپارٹمنٹ، کورسز، ورکشاپس اور لائبریری قائم کی جا چکی ہے۔ ہم تمام معزز مہمانانِ گرامی نعت سے

محبت رکھنے والوں اور طلبہ و طالبات کے مشکور ہیں جنھوں نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

☆ چیئرمین بورڈ آف گورنرز منہاج یونیورسٹی لاہور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کانفرنس سے بذریعہ وڈیو لنک خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یونیورسٹیز کی سطح پر قائم ہونے والا یہ پہلا نعت ریسرچ سینٹر ہے، جس نے مختصر مدت میں دنیا بھر کے علمی و ادبی حلقوں کی توجہ حاصل کرلی ہے اور غیر معمولی پذیرائی پائی ہے۔ اس سینٹر میں نعت کے مبارک فن سے متعلق علمی، فنی اور تربیتی کورسز باقاعدگی سے کروائے جارہے ہیں۔ نئی نسل کے طلبہ و طالبات کو براہِ راست ماہرینِ نعت اور متخصصین سے اکتسابِ علم و فن کا نادر موقع میسر ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کی انتظامیہ قابلِ مبارکباد ہے، جنہوں نے نعت کو صرف ایک جذبے یا روایت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے باضابطہ طور پر ایک علمی و فکری شعبہ بنادیا ہے۔ یہ ادارہ 21 ویں صدی کے تقاضوں کے مطابق تحقیق، تنقید، تربیت اور تدریس کے ذریعے نعتیہ ادب کو نئے افق عطا کررہا ہے۔ یہ کانفرنس صرف ایک علمی اجتماع نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جو یہ پیغام دے رہی ہے کہ نعت صرف شاعری نہیں بلکہ روحانی بلندی، فکری رفعت اور شعوری آگہی کا ذریعہ ہے۔ دنیا بھر سے معزز اسکالرز، محققین، شعراء اور اساتذہ کی شرکت اس کانفرنس کو عالمی وقار اور مقام عطا کررہی ہے۔

☆ سابق وفاقی وزیر برائے مذہبی امور محترم پیر نور الحق قادری نے نعت کانفرنس میں شرکت کی اور اپنے خطاب میں کہا کہ منہاج یونیورسٹی لاہور کا یہ قابلِ تحسین اقدام نعتیہ ادب کی علمی و فکری بنیادوں کو مضبوط کررہا ہے۔ نعت رسول مقبول ﷺ محض شاعری نہیں بلکہ عشقِ مصطفی ﷺ کا وہ والہانہ اظہار ہے جو دلوں کو منور اور معاشروں کو سنوار دیتا ہے۔ اس اہم علمی و ادبی کانفرنس کے انعقاد پر منہاج یونیورسٹی کی انتظامیہ اور نعت ریسرچ سینٹر کے جملہ منتظمین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

☆ معروف محقق، نقاد اور نعت گو ڈاکٹر ریاض مجید اور پروفیسر ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری نے بھی نعت کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اس بامقصد کانفرنس کے انعقاد کو نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے ایک تاریخی سنگِ میل قرار دیا اور منہاج یونیورسٹی کے اس علمی اقدام کو سراہا۔

☆ کانفرنس سے پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نعت گوئی کا فن عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک پاکیزہ اظہار ہے جو ادب اور روحانیت کا حسین امتزاج ہے اور اُمت کے فکری و اخلاقی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ منہاج یونیورسٹی کا حسان بن ثابت سینٹر نعت کو صرف ایک روایتی صنفِ شاعری نہیں بلکہ ایک جامع علمی، فکری اور تربیتی شعبہ بنا کر نئی نسلوں کو عشقِ رسول ﷺ سے وابستہ کر رہا ہے۔ نعت خوانی اسلامی تہذیب و ثقافت کے وہ روشن پہلو ہیں جو امتِ مسلمہ کے دلوں میں محبتِ رسول ﷺ، روحانی بیداری اور دینی جذبات کو تازہ کرتے ہیں۔ تاہم ان کا استعمال پیشکش اور انداز اگر شریعت کی روشنی میں ہو تو یہ دین کے فہم و ذوق میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

نعت خوانی کے دوران شریعت کی حدود کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ ایسی نعتیں جن میں غلو کیا گیا ہو، یعنی نبی کریم ﷺ کو اللہ کی صفات دی گئی ہوں یا ایسی باتیں جو اسلامی عقائد کے خلاف ہوں، وہ شرعی لحاظ سے درست نہیں۔ اسی طرح نعت خوانی کے آداب بھی مقرر ہیں مؤدب انداز اختیار کرنا، خاموشی سے سننا اور محفل کا شائستہ ماحول برقرار رکھنا۔ اگر نعت خوانی ان اصولوں کے تحت ہو تو یہ صرف ثواب کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ دل کی دنیا کو بدلنے کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے۔ اسی طرح قوالی کا مقصد صرف موسیقی یا تفریح نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا اصل ہدف روحانی کیفیت اور قلبی بیداری ہو۔ جب قوالی شرعی حدود میں رہ کر کی جائے، اس میں استعمال ہونے والے آلاتِ موسیقی فقہاء کی اجازت کے مطابق ہوں، اشعار اسلامی عقائد سے ہم آہنگ ہوں اور انداز و ماحول میں کوئی بے پردگی،

غیر اخلاقی حرکت یا ناچ گانے کا رنگ نہ ہو تو یہ قوالی ایمان کو تازگی عطا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت اور قوالی جب دل کو اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی طرف مائل کریں، تو یہ رحمت کا ذریعہ ہیں لیکن اگر یہی چیزیں صرف نفس کی تسکین یا دنیاوی لذت کے لیے استعمال ہوں، تو پھر یہ مقصد سے ہٹ جاتی ہیں۔ اس لیے ہر عاشقِ رسول ﷺ اور صاحبِ ذوق مسلمان کو چاہیے کہ وہ نعت و قوالی جیسے روحانی ذرائع کو شریعت کے دائرے میں رکھ کر اپنائے تاکہ اس کے ذریعے دل کا تزکیہ، روح کی پاکیزگی اور ایمان کی تازگی نصیب ہو۔

☆ کانفرنس میں "21ویں صدی کے نعتیہ تخلیقی و تحقیقی رجحانات" کے موضوع پر دو پینل ڈسکشن منعقد کیے گئے۔ پہلے پینل ڈسکشن میں اردو ادب اور نعتیہ تحقیق سے وابستہ نامور شخصیات نے ”نعت گوئی کے عصری اسلوب، فکری وسعت اور تحقیقی جہات“ پر گفتگو کی۔ سیشن میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ نعتیہ ادب نے جدید دنیا کے فکری و تخلیقی تقاضوں کے ساتھ کس طرح ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ پینلسٹ حضرات میں ڈاکٹر سعادت سعید، ڈاکٹر شبیر قادری، ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس، پروفیسر جلیل عالی، ڈاکٹر ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر سید حامد فاروق بخاری شامل تھے۔ یہ پینل ڈسکشن نعتیہ ادب کے سنجیدہ قاری، محقق اور تخلیق کار کے لیے ایک فکری و روحانی رہنمائی کا ذریعہ بنی۔

☆ دوسرے پینل ڈسکشن میں ”عصر حاضر میں خواتین کی نعتیہ ادبی، تخلیقی اور تحقیقی خدمات“ کو موضوع بنایا گیا۔ اس بصیرت افروز نشست میں ملک کی ممتاز علمی و ادبی خواتین؛ صوفیہ بیدار، ڈاکٹر نبیلہ رحمان، نورین طلعت عروبہ، سیدہ سعدیہ، ڈاکٹر عظمیٰ زریں نازیہ، شگفتہ فردوس اور ڈاکٹر شاہدہ

دلاور نے شرکت کی اور خواتین کے نعتیہ کردار، علمی فکر اور ادبی رجحانات پر مدلل گفتگو کی۔ اس سیشن میں اس امر کا جائزہ لیا گیا کہ 21ویں صدی میں خواتین کس طرح نعتیہ ادب کے فروغ، تحقیق اور تخلیق میں فعال اور نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں، اور ان کی تخلیقات کس طرح فکری گہرائی اور روحانی شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

☆ کانفرنس کے تحت ایک نہایت اہم، علمی اور فکر انگیز ٹیکنکل سیشن (مقالہ جات کی پیشکش) کا انعقاد بھی کیا گیا۔ یہ سیشن معروف ماہرِ تعلیم ڈاکٹر سید سلطان شاہ (ڈین فیکلٹی آف لینگویجز، منہاج یونیورسٹی لاہور) کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، جس میں ممتاز اسکالرز و محققین ڈاکٹر سیدہ سعدیہ، ڈاکٹر اسد محمود خان، علی صابر رضوی، محمد شعیب مرزا، ڈاکٹر شوکت محمود شوکت، ڈاکٹر عبدالجبار قمر اور محترمہ خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالات پیش کیے۔ مقالہ نگاروں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ کس طرح نعتیہ شاعری نے جدید ادبی اور فکری تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی قائم رکھی ہے اور اس صنفِ ادب میں تحقیق و تنقید کا دائرہ مسلسل وسعت اختیار کر رہا ہے۔ یہ علمی اور روحانی نشست نعت سے محبت رکھنے والے اہلِ ذوق کے لیے ایک بامعنی، فکر انگیز اور یادگار تجربہ ثابت ہوئی۔

☆ کانفرنس میں پر ڈائریکٹر ریسرچ سینٹر ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی کی مرتب کردہ کتاب 'حفیظ تائب: شخصیت و فن'، ان کی نعتیہ کتاب 'حضور جانتے ہیں'، اور خصوصی سہ ماہی شمارہ 'مدحت' سمیت مختلف شعراء اور نعت گو شعراء کی کتب کی رونمائی کی گئی۔

☆ اس کانفرنس کے تحت ایک نعتیہ مذاکرہ کا انعقاد بھی کیا گیا۔ اس مذاکرے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر سعید احمد سعیدی، حسین مجروع، ڈاکٹر محمد شہزاد مجددی اور ابوالحسن خاور شامل تھے۔ اس نعتیہ مذاکرے کو ڈاکٹر حافظ خورشید احمد کوآرڈینیٹ کر رہے تھے۔

☆ کانفرنس میں ایک باوقار قومی نعتیہ مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت ملک کے معروف محقق، قادر الکلام شاعر ڈاکٹر ریاض مجید نے کی، جب کہ پروفیسر جلیل عالی مہمانِ خصوصی تھے۔ مشاعرہ کی نظامت اور میزبانی کے فرائض معروف نعت گو شاعر ابوالحسن خاور نے سرانجام دیے۔ اس نعتیہ مشاعرہ میں ملک بھر سے نامور شعراء، ادبی و علمی شخصیات اور نعت گو حضرات نے شرکت کی اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نذرانہ ہائے عقیدت پیش کیے۔

☆ ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری (سیکرٹری اوقاف و مذہبی امور، حکومتِ پنجاب) نے اپنے خطاب میں کہا کہ میں منہاج یونیورسٹی لاہور اور جملہ منتظمین کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ اس پُر فتن اور مادّہ پرستی کے دور میں نعت جیسے بابرکت موضوع پر علمی و تحقیقی کام ہو رہا ہے، جو بلاشبہ ایک بڑی دینی، فکری اور تہذیبی خدمت ہے۔ یہ ادارہ (منہاج یونیورسٹی) عشقِ رسول ﷺ کے فروغ اور نعتیہ ادب کی ترویج و ترقی کا جو عظیم فریضہ سرانجام دے رہا ہے، وہ نہایت احسن اور قابلِ تقلید ہے۔ نعت کو جس علمی وادبی وقار اور تحقیق کے ساتھ اس ادارے نے قومی سطح پر منظم کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ میں اس عظیم ادارے کے بانی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے علمی، فکری اور روحانی میدان میں جو روشن چراغ جلائے ہیں وہ آج نسلِ نو کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

☆ کانفرنس کے اختتامی سیشن میں کانفرنس کا اعلامیہ ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ سینٹر راشد حمید کلیامی نے پیش کیا۔

☆ کانفرنس میں مجموعی طور پر 42 تحقیقی مقالہ جات پیش کیے گئے۔ 7 مقالہ جات ٹیکنکل سیشن میں پڑھے گئے۔ 18 اہلِ علم و فن نے تین مختلف نعتیہ موضوعات پر علمی و فنی ابحاث میں حصہ لیا۔ 9 ماہرینِ علم وادب نے نعت کے مختلف پہلوؤں پر فکری رہنمائی مہیا کی۔ سال 2024 اور 2025 میں 11 نعتیہ کتب کی تقریبِ رونمائی اس کانفرنس میں منعقد ہوئی۔

☆ کانفرنس کے اختتامی سیشن میں رجسٹرار منہاج یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر خرم شہزاد نے قومی نعت کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر پاکستان سمیت دنیا بھر سے تشریف لانے والے معزز مہمانانِ گرامی، اسکالرز، نعت گو شعرا، محققین اور شرکائے کانفرنس کا دلی شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ کانفرنس ان شاءاللہ علمی و روحانی محفل نعت گوئی کے فروغ، عشقِ رسول ﷺ کے ابلاغ اور ادبِ مصطفی ﷺ کے فروزاں چراغ کو نئی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

ڈپٹی چیئر مین بورڈ آف گورنرز منہاج یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے معزز مہمانانِ گرامی اور فنِ نعت میں نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات کو شیلڈز سے نوازا۔

چوتھی قومی ادبی نعت کانفرنس 2025

حسان بن ثابت سنٹر فار ریسرچ ان نعت لٹریچر منہاج یونیورسٹی لاہور اور نعت فورم انٹرنیشنل کے باہمی اشتراک سے
چوتھی قومی ادبی نعت کانفرنس 2025
نعت: 21 ویں صدی کے تخلیقی و تحقیقی رجحانات

حسان بن ثابت سنٹر فار ریسرچ ان نعت لٹریچر منہاج یونیورسٹی لاہور اور نعت فورم انٹرنیشنل کے باہمی اشتراک سے

چوتھی قومی ادبی
2025

سالانہ عرس مبارک فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ

قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء منہاج یونیورسٹی لاہور

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
MAY-2025
Regd CPL No.41

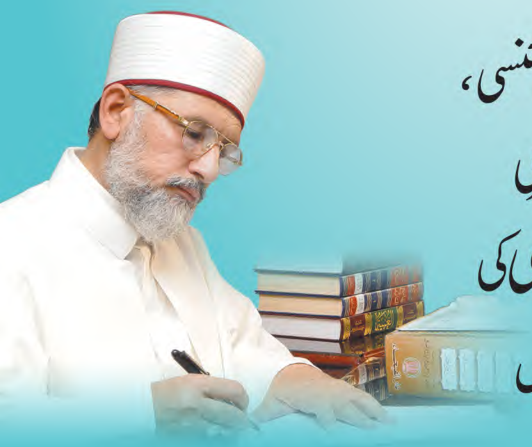

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی،
فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی
650 سے زائد کتب دستیاب ہیں